الذین آتینٰھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم

(البقرہ آیت ۱۴۶-)

(جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں
جس طرح اپنے بیٹے کو پہچانتے ہیں)

محمدﷺ کون ہے؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت
حضرت سلیمان علیہ السلام کی بشارت
اس حقیقت وصداقت پر
عبرانی بائبل کی پرزور شہادت

از قلم حضرت مولانا بشیر احمد حسینی
خطیب جامع مسجد حسینی
شورکوٹ چھاؤنی ضلع جھنگ

الناشر و ملنے کا پتہ
محمد لطف اللہ حسینی ناظم اسلامی کتب خانہ
میناری بازار شورکوٹ چھاؤنی ضلع جھنگ (پاکستان)

نام کتاب . . . . محمد یم کون ہے؟ .
نام مولف . . . . بشیر احمد حسینی ۔
نام کاتب . . . . عبدالستار بسمل ۔
نام پریس . . . . الحمزہ آرٹ پریس خانیوال .
بار . . . . اوّل ۔
تعداد . . . . گیارہ سو
قیمت . . . . ۲۵ روپے .
تاریخ اشاعت ۱۵، مئی ۱۹۹۷ء

ملنے کا پتہ

محمد لطف اللہ حسینی خطیب جامع مسجد رشیدیہ
مانانوالہ بار ضلع شیخوپورہ .

باسمہٖ سُبحانہٗ

پیش لفظ

مسیحی علماء اس سوہانِ روح اشاعت اور مکروہ پروپیگنڈا میں ہمہ تن مصروف و مشغول ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ نبوت اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے نہ بلکہ اپنی طرف سے تھا استغفر اللہ بندہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ اُمتی اور نام لیوا ہونیکی حیثیت سے ان ناساز گار حالات کے پیش نظر یہ مناسب جانا اور موزوں خیال کیا کہ سرور کائنات فخر موجودات، شافع محشر ساقی کوثر، ہادی دوجہان پیغمبر آخر الزمان، صاحب لولاک اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی صداقت مسیحی علماء کی مذہبی کتاب (بائبل) سے احسن طریقہ اور عمدہ سلیقہ سے اجاگر اور منور کردی جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی بشارت و شہادت بائبل میں موجود اور بائبل اس حقیقت کا ببانگ دُہل اعلان کرتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت و رسالت کا دعویٰ واقعی اللہ رب العزت ہی کی طرف سے تھا۔

اس عاجز نے اس نیک کام کو سرانجام دینے کیلئے محض اللہ تبارک و تعالیٰ کے بھروسہ اور تکیہ پر قلم اٹھایا اور صرف اُسی کے فضل و کرم سے گوہر مطلوب ہاتھ لگا اور منزل مقصود کو پالیا۔ الحمد للہ۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان چند سطور کو قبول فرما کر فقیر کیلئے ذریعہ نجات اور نسل انسانی کو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان و یقین لاتے اور آپ کی نورانی تعلیمات پر عمل پیرا اور گامزن ہونیکی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین

ے یا رب! تیری رحمت سے پائیں رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چُنے ہیں اُن کے دامن کیلئے

احقر بشیر احمد حسینی

تاریخ کتابت۔ جمعۃ المبارک ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

بمطابق ۷ فروری ۱۹۹۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم
اما بعد
اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الذین اٰتینٰھم الکتٰب یعرفونہٗ کما یعرفون ابناءھم ط
(الانعام - آیت ۲۰)

ناظرین کرام! ہمارے لئے اس مقام پر یہ بات بہت ضروری اور نہایت لازمی ہے کہ ہم جس بشارت کو آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں اُسے نقل کرنے سے قبل یہ ظاہر کردیں کہ ہمارے نزدیک بائبل کی حیثیت کیا ہے؟ نیز رسول پاک اور صاحب لولاک صلی اللہ تعالےٰ علیہ واٰلہ وسلم کی بابت بشارات کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے۔ اس کی بابت بھی کچھ تحریر کیا جائے۔

ہم سب سے پہلے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بائبل کی حیثیت کیا ہے؟ تو اس کے لئے مندرجہ ذیل چار باتیں سماعت فرمائیے:۔

پہلی بات۔ الحاقی فقرات

تورات کی پانچویں کتاب کا نام "استثنا" ہے۔ اس کتاب کے آخری باب (۳۴: ۵ تا ۱۰) میں سیدنا حضرت موسےٰ علیہ السلام کی بابت یوں منقول ہے:۔

"پس خداوند کے بندہ موسےٰ نے خداوند کے کہے کے موافق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی[1]۔ اور اُس نے اُسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل دفن کیا پر آج تک کسی آدمی کو اُس کی قبر[2] معلوم نہیں

۳

اور موسےٰ اپنی وفات کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا اور نہ تو اُس کی آنکھ دھندلانے پائی اور نہ اُس کی طبعی قوت کم ہوئی۔ اور بنی اسرائیل موسےٰ کے لئے موآب کے میدانوں میں تیس دِن تک روتے رہے۔ پھر موسےٰ کے لئے ماتم کرنے اور رونے پیٹنے کے دن ختم ہوئے۔ اور نون کا بیٹا یشوع دانائی کی روح سے معمور تھا کیونکہ موسےٰ نے اپنے ہاتھ اُس پر رکھے تھے اور بنی اسرائیل اُس کی بات مانتے رہے اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا اُنھوں نے ویسا ہی کیا۔ اور اُس وقت سے اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند جس سے خداوند نے رُو برُو باتیں کیں نہیں اُٹھا۔"

تورات کے مندرجہ بالا خط کشیدہ الفاظ سے چار باتیں بخوبی ظاہر ہوتی ہیں:۔

۱:۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کی وفات مبارکہ۔

۲:۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کی قبر منورہ۔

۳:۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کی عمر مقدسہ۔

۴:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے حالات و واقعات۔

تورات کی ان چاروں باتوں کو پڑھ کر ایک علم و عقل اور انصاف و عدل رکھنے والا انسان ضرور حیران و پریشان اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جس کتاب کو آسمانی اور الہامی کہا جاتا ہے اُس میں یہ معاملہ کیوں ہے؟ کیونکہ جس وقت سیدنا موسےٰ علیہ السلام نے تورات کو لکھ کر بنی اسرائیل کے سب بزرگوں کے سپرد کیا (استثنا ۳۱:۹) تو اس وقت حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے یقیناً ان باتوں کو تورات میں تحریر نہیں فرمایا تھا۔ اس حقیقت کے پیش نظر لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپؑ کے بعد کسی نامعلوم شخص نے اپنی طرف سے

ان حالات و واقعات کو اس مقام پر درج کر دیا۔ یہ نتیجہ حق و صداقت پر مبنی، اور اہلِ کتاب بھی اس نتیجہ کے معترف ہیں۔ چنانچہ پادری جی، ٹی، مینلی صاحب ایم، اے رقمطراز ہیں:۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ آخری باب کسی اور شخص کی تصنیف ہے۔" (ہماری کتب مقدسہ بار چہارم ص ۲۰۸)۔

نیز ایف، ایس خیر اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"اکتیسویں باب میں تذکرہ نگار ہمیں بتاتا ہے کہ موسےٰ نے اس شریعت کو ایک کتاب میں لکھ کر کاہنوں کو دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اسے لوگوں کے رو برو پڑھیں۔ اور اُس نے مزید یہ بھی حکم دیا کہ "شریعت کی کتاب" کو شہادت کے لئے عہد کے صندوق کے پہلو میں رکھا جائے۔ جو کچھ ہم ۱۷: ۱۸: ۱۹ میں پڑھتے ہیں یہ اُس سے قریبی مطابقت رکھتا ہے کہ آئندہ حکمرانوں کو چاہیئے کہ وہ اس کتاب کی نقل تیار کریں جو کاہنوں کی تحویل میں ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کتاب جو موسیٰ نے لکھی تھی اُس میں ۳۱۔۳۴ ابواب نہیں تھے۔ بے شک یہ امر واقع ہے کہ آخری دو ابواب اُس کی وفات کے بعد اس میں شامل کئے گئے۔ نہایت سادہ اور ممکن الامر توضیح یہ ہے کہ موسےٰ نے قوانین کو خود "لکھا" یعنی ۱۲۔ ۲۶ ابواب کو اور خطبات اور اختتامی ابواب بعد میں لکھے اور اس میں شامل کئے گئے۔ اس طرح "کتاب" سے استثنا کی ساری کتاب مراد لی جانے لگی۔" (قاموس الکتاب لغاتِ بائبل تحت استثنا کی کتاب ص ۴۵)۔

یہ احسن سلوک صرف تورات ہی کے ساتھ نہیں بلکہ عہد جدید کے ساتھ بھی کیا

گیا ہے۔ چنانچہ پادری فانڈر صاحب ان آیات (مرقس ۱۶ : ۹ تا ۲۰۔ یوحنا ۵:۳ و ۴ اور ۷ : ۵۳ سے آخر تک اور ۸ : ۱۱ اور ۱۔ یوحنا ۵:۷) کی بابت رقم طراز ہیں۔

"ہم مسیحی لوگ یہ دریافت کر چکے ہیں کہ یہ آیات قدیم ترین مسوّدوں میں موجود نہیں ہیں اور ہم ان کو حواشی کے طور پر سمجھتے ہیں جن کو کسی کاتب نے اصل عبارت کا جزو خیال کر کے متن میں درج کر دیا۔" (میزان الحق پہلا حصہ باب ۲)۔

الغرض بائبل میں جتنے بھی ایسے مقامات پائے جاتے ہیں انہیں "الحاقی فقرات" یا "تحریفی مقامات" سے تعبیر کیا جائے۔ بہر حال ان سے یہ حقیقت خوب اجاگر اور منوّر ہوتی ہے کہ بائبل میں انسانی کلام کی آمیزش و ملاوٹ موجود ہے۔

دوسری بات۔ دُھندلے مقامات

عیسائیوں کے دو فرقے بہت مشہور ہیں۔ پہلا فرقہ رومن کیتھولک، یہ فرقہ پہلا اور پرانا ہے۔ یہ فرقہ اپنی بائبل کو "کلام مقدس" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ جب اس فرقہ سے اخلاق سوز حالات و واقعات، سوہان روح اور مکروہ افعال رونما ہوئے تو جناب لُوتھر نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور بغاوت کا عَلم بلند کیا تو مسیحیوں نے رومن کیتھولک کو ترک کر دیا اور جناب لُوتھر کی آواز پر لبیک کہا۔ تارکین رومن کیتھولک کے جم غفیر اور گروہ کثیر نے اس کا ساتھ دیا ان لوگوں کو قلیل مدت میں دن دگنی رات چوگنی ترقی ہوئی اور اس کا طوطی بولنے لگا۔ لوتھر کے اس فرقہ کا نام "پروٹسٹنٹ" اور یہ فرقہ ۱۵۱۷ء میں معرض وجود میں آیا۔ بالفاظ دیگر لوتھر نے اس فرقہ کی بنیاد ۱۵۱۷ء میں رکھی۔

یہ فرقہ اپنی بائبل کو "کتاب مقدس" کہتا ہے۔ ان دونوں فرقوں کی بائبلوں میں

کتابوں کی تعداد کے فرق کے علاوہ تراجم میں بھی بہت فرق ہے۔ بہر حال یہ دونوں فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ ”عبرانی عہد قدیم“ (اولڈ ٹسٹامنٹ) کا متن بعض مقامات پر دھندلا ہے۔ چنانچہ رومن کیتھولک کی اردو بائبل مطبوعہ روما ۱۹۵۸ء میں تورات کی پہلی کتاب ”تکوین“ (پیدائش) کے باب ۴۹ کی پہلی آیت کے تحت حاشیہ میں یوں مرقوم ہے:-

”باب ۴۹ : ۱۔ اس طویل نظم میں یعقوب اپنے بیٹوں کی نسلوں کو اُن واردات سے جو زمانہ مستقبل میں وقوع میں آئیں گی آگاہ کرتا ہے۔ متن بعض مقامات میں بہت دھندلا ہے۔“

خط کشیدہ الفاظ اس بات کی پُر زور شہادت دیتے اور اس امر کا بانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ یہ بات بالکل حق و صداقت پر مبنی ہے کہ ”عبرانی عہدِ قدیم“ کا متن بعض مقامات پر دھندلا ہے۔

باقی رہا فرقہ پروٹسٹنٹ، تو یہ لوگ بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کرتے بلکہ کھلے بندوں اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ آج کل ان لوگوں کی انگریزی بائبل کا جو نُسخہ مُرَوَّج، جس کا نام ”گڈ نیوز بائبل“ ہے۔ اس ترجمہ کی جو تفصیل دیباچہ میں موجود اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امریکن بائبل سوسائٹی نے دُنیا بھر کی بائبل سوسائٹیوں کے معتبر افراد کو امریکہ میں مدعو کیا۔ چنانچہ ننانوے ۹۹ ممالک کی بائبل سوسائٹیوں ف کے

ف: ”گڈ نیوز بائبل“ کے دوسرے صفحہ پر اشاعت وغیرہ کا ذکر ہے۔ اسی صفحہ کے نیچے آخری سطر میں اس بات کا اظہار ہے کہ جن ممالک کی بائبل سوسائٹیز نے اپنے نمائندے امریکہ بھیجے تھے۔ اُنکے مکمل پتے کتاب کے آخر میں درج ہیں چنانچہ اس فہرست میں انگریزی حروف تہجی کے اعتبار سے ”پی“ کے تحت پہلا ملک پاکستان اور اس کی ”بائبل سوسائٹی انار کلی لاہور“ کا ذکر ہے۔ یعنی ”پاکستان بائبل سوسائٹی انار کلی لاہور“ کا نمائندہ بھی مذکورہ بالا مترجمین میں شامل تھا۔ یاد رہے کہ اب یہ فہرست کسی مصلحت کی وجہ سے ”گڈ نیوز بائبل“ سے خارج اور حذف کر دی گئی ہے۔ (حسینی)

نامور، جید، ذہین و فطین مسیحی علماء امریکہ پہنچے۔ ان ننانوے علماء نے امریکہ میں بڑی محنت و مشقت اور بہت تفتیش و تحقیق سے عبرانی عہد قدیم کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اس سے اس بات کا سراغ ملتا اور پتہ چلتا ہے کہ مسیحی دنیا میں یہ ترجمہ (گڈ نیوز بائبل) نہایت معتبر و مستند ہے۔ ان مسیحی مترجمین نے یہ کام بھی سرانجام دیا کہ عبرانی عہد قدیم کا متن جن جن مقامات پر غیر واضح اور دھندلا ہے تو اس کی نشاندہی بھی حاشیہ میں کی۔ چنانچہ ان مترجمین کے نزدیک عبرانی تورات کے دھندلے مقامات

مندرجہ ذیل ہیں:۔

نمبر شمار	نام کتاب	حوالہ جات: باب	آیت	گڈ نیوز بائبل کے مقامات
۱	پیدائش	۱۵	۲	حاشیہ میں پہلی سطر "ایکس" کے تحت
۲	"	۱۶	۱۳	چوتھی سطر "الیف" " "
۳	"	۴۹	۱۰	پہلی " "ایس" " "
۴	خروج	۱۴	۲۰	دوسری " "این" " "
۵	"	۱۷	۱۶	پہلی " "آر" " "
۶	احبار	۲۱	۴	" "ایل" " "
۷	"	۲۵	۳۳	" "ایم" " "
۸	گنتی	۱۲	۶	دوسری " "ایچ" " "
۹	"	۲۱	۲۸	تیسری " "یو" " "
۱۰	"	۲۴	۷	دوسری " "زیڈ" " "
۱۱	"	۲۴	۲۲	چوتھی " "سی" " "
۱۲	"	۲۴	۲۳	پانچویں " "ڈی" " "

۱۳	استثنا	۱۸ : ۸	دوسری سطر " او " "
۱۴	"	۳۲ : ۵	پہلی " " اے " "
۱۵	"	۳۳ : ۲	پہلی " " ڈی " "
۱۶	"	۳۳ : ۳	تیسری " " الف " "
۱۷	"	۳۳ : ۲۱	دوسری " " جے " "

مسیحی مترجمین نے عبرانی تورات کے مندرجہ بالا ہر مقام کے متعلق اپنی تحقیقی رائے کا یوں اظہار کیا ہے :-

"Hebrew unclear"

(عبرانی متن دھندلا ہے۔)

الغرض ننانوے[۹۹] مسیحی علماء کے نزدیک تورات کی پانچوں کتابوں (پیدائش[۱]، خروج[۲]، احبار[۳]، گنتی[۴] اور استثنا[۵]) میں دھندلے مقامات کی کُل تعداد سترہ[۱۷] ہے۔ تو اس حقیقت کے پیشِ نظر ایک سوال پیدا ہوتا اور وہ یہ ہے کہ کیا جب سیدنا حضرت موسےٰ علیہ السلام نے ان مقامات کو تحریر فرمایا تھا تو اس وقت بھی دھندلے تھے؟ تو عقل سلیم اس سوال کا یہ جواب دیتی ہے کہ اس وقت یہ مقامات یقیناً دھندلے نہ تھے۔ بلکہ آپؑ کے بعد کسی انسانی ہاتھ نے ان کو دھندلا کیا۔ تو ایسے میں یہ صداقت برملا ظاہر ہوتی ہے کہ تورات میں انسانی ہاتھ کا دخل ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! ہم اہل اسلام کو اس بات پر بے انتہا مسرت ہے کہ قرآن مجید اور فرقان حمید کا الہامی، روحانی، نورانی، آسمانی اور لاثانی متن کسی مقام سے ذرّہ بھر غیر واضح اور دھندلا نہیں۔

ع سوچنے کی بات ہے اسے بار بار سوچ

تیسری بات۔ غلط تراجم کا انکشاف

مترجمین نے عبرانی عہد قدیم سے جو تراجم عربی، فارسی اور اردو میں کئے ہیں اُن کے بعض مقامات عبرانی عہد قدیم کے ساتھ بالکل میل نہیں کھاتے بلکہ جداگانہ چیز نظر آتے ہیں مثلاً

الف :۔ " وَادِي اَلْبُكَاءِ " ۔ (زبور ۸۴: ۶۔ عربی بائبل سنہ ۱۹۵۶ء)۔

" وادیٔ بکاء " ۔ (" " : " ۔ فارسی بائبل سنہ ۱۹۵۹ء)۔

" وادیِ بُکا " ۔ (" " : " ۔ اردو بائبل سنہ ۱۹۸۷ء)۔

عربی مترجم نے " بکا " کے ساتھ " ال " لگاکر اس بات کو ظاہر کیا ہے کہ یہ " اسم معرفہ ہے نکرہ " نہیں۔ اور " ب " پر پیش ڈال کر یہ بتایا ہے کہ یہ لفظ " بُکا " ہے " بکا " نہیں۔

فارسی مترجم نے " ب " پر کوئی علامت تو نہیں ڈالی مگر اس لفظ کے آخر میں " ء " لکھ کر یہ بتایا کہ یہ لفظ " بکا " نہیں بلکہ " بُکا " ہے۔

اُردو مترجم نے " ب " پر پیش ڈال کر اس بات کا اظہار کیا ہے کہ یہ لفظ " بُکا " ہے "بَکا " نہیں الغرض ان تینوں مترجمین کے نزدیک یہ مقام یوں ہے :۔

" وادیِ بُکا "

انگریزی مترجمین نے اس مقام کو یوں تحریر کیا ہے :۔

"the valley of Baca." (انگریزی بائبل سنہ ۱۹۷۴ء)

"the valley of Baca." (گڈ نیوز بائبل سنہ ۱۹۸۲ء)

(بکا کی وادی)

انگریزی کے دونوں نسخے اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ " بکا " اسم معرفہ ہے۔

کیونکہ انگریزی زبان میں "the" (دِی) کو اُس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جب کہ کسی خاص شخص یا خاص چیز (اسم معرفہ) کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے۔ نیز اس زبان میں یہ قاعدہ ہے کہ "اسم معرفہ" کا پہلا حرف ہمیشہ بڑا لکھا جاتا ہے۔ چنانچہ انگریزی کے دونوں نسخوں میں "ویلی" سے پہلے "دی"[1] موجود اور "بکا" کا پہلا حرف "بی"[2] بڑا لکھا گیا ہے۔ یہ دونوں باتیں اس بات کی بیّن دلیل اور واضح ثبوت ہیں کہ مذکورہ بالا تینوں نسخوں میں "بُکا" غلط اور انگریزی کے دونوں نسخوں میں "بکا" صحیح ہے۔

ایف، ایس خیر اللہ صاحب وادی بکا کی بابت رقم طراز ہیں:۔

"بکا (وادی):۔ توت یا بلسان کے درختوں کی وادی یا ماتم کی وادی۔ بلسان کے درخت سے آنسوؤں کی مانند ایک گوند نکلتی ہے اس لئے اسے وادی بلسان کہا گیا اس کا ذکر زبور ۸۴ : ۶ میں ملتا ہے لیکن اس کا محلِ وقوع معلوم نہیں۔" (قاموس الکتاب تحت "ب" صـ۱۵۳)۔

اے بغض وحسد اور تعصب وضد! تیرا ستیاناس ہو کہ تُو نے ایک غلط، تصوّری اور خیالی وادی بُکا کا اقرار کرالیا۔ جو دُنیا کے نقشہ پر موجود نہیں اور اس کا محل وقوع بھی معلوم نہیں۔ اور جو صحیح حقیقی اور یقینی "وادی بکا" مشہور ومعروف "شہرہ آفاق" دنیا کے نقشہ پر موجود اور اُس کا محلِ وقوع معلوم ہے۔ اس کا انکار کرا لیا۔

فرقہ رومن کیتھولک کی بائبل میں زیرِ نظر مقام کی بابت یوں تحریر کیا گیا ہے:۔

"خشک وادی"

(مزمور ۸۳ (۸۴) آیت ۷۔ نسخہ اردو روما ۱۹۵۸ء)

اس ترجمہ سے بھی یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ "بُکا" غلط اور صحیح "بکا" ہی ہے۔ کیونکہ "بُکا" کا معنے "رونا" اور "بکا" کا معنے "خشک" ہے۔

یعنی وہ زمین جو ناقابلِ کاشت ہو۔ ایسی وادی "بُکا" ہرگز ہرگز نہیں بلکہ "بکّا" ہی ہے۔ گو مترجمین نے "بکا" کا ترجمہ "خشک" صحیح کیا ہے مگر اس کا ترجمہ کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ اسم معرفہ ہے اور اسم معرفہ کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ اور یہ ترجمہ خاص مصلحت و حکمت کے تحت کیا گیا ہے۔ بہر حال صحیح لفظ "بکا" ہی ہے اور انگریزی کے دونوں نسخوں سے بھی اسی صداقت کا اظہار ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں "بکا" کے صحیح ہونے پر ایک زبردست دلیل اور ٹھوس ثبوت ایسا بھی ہے جو سو سنار کی اور ایک لوہار کی کا مصداق اور جسے عبرانی عہد قدیم کی کتاب زبور ۸۴: ۷ میں یوں تحریر کیا گیا ہے:۔

הבכא

ھا، ب، ک، الف

(ھابکا)

عبرانی عہد قدیم کے مندرجہ بالا مقام پر "بکا" سے پہلے حرف "ھا" موجود ہے۔ عبرانی زبان میں یہ حرف اسم تخصیص (اسم معرفہ) کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ریمنڈ اے مارٹن صاحب چوتھے سبق نمبر ۲۱ کے تحت صٓ پر لکھتے ہیں:۔

"The definite article in Hebrew is the letter ה added to the beginning of a word. It is usually translated by "the" in English."

(ھا عبرانی زبان میں ایک مخصوص آرٹیکل ہے۔ جو کہ ایک لفظ کے شروع میں اضافی لگائی جاتی ہے یہ عموماً انگلش کے لفظ "The" (دی) کی طرح

استعمال کی جاتی ہے۔")

(این انٹروڈکشن ٹو بائبلیکل جرو تھیولاجیکل پبلیکیشن ان انڈیا بنگلور سنہ ۱۹۸۷ء)

نیز ایف، ایس خیر اللہ صاحب رقم طراز ہیں :۔

"عبرانی حرفِ تخصیص ھا اور عربی ال کا تعلق بھی دلچسپ ہے۔"

(قاموس الکتاب تحت عبرانی زبان ص ۶۲۹)۔

مذکورہ بالا دونوں حوالہ جات سے صاف ظاہر ہے کہ عبرانی عہد قدیم کے زیر نظر لفظ سے پہلے "ھا" کو لکھ کر اس حقیقت کو اُجاگر اور اس صداقت کو منور کیا گیا ہے کہ "بکا" اسم تخصیص (اسم معرفہ) ہے۔ اور انگریزی کے دونوں نسخوں سے بھی اسی صداقت کا اظہار ہوتا ہے۔ الغرض "بُکا" غلط، صحیح "بکا" ہی ہے ف۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ مذکورہ بالا تینوں نسخوں میں "بکا" کو جو "بُکا" لکھا گیا ہے وہ عبرانی عہد قدیم سے دور اور بہت دور ہے۔

؎ صادق ہوں اپنے قول میں غالبؔ خُدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

ب :۔ سیدنا حضرت موسےٰ علیہ السلام نے اپنی وفاتِ مبارکہ سے قبل اپنی قوم کو جو پیشنگوئی ارشاد فرمائی تھی۔ اُسے تینوں نسخوں میں یوں نقل کیا گیا ہے :۔

۱ :۔ "وَاَتٰی مِنْ رِبُوَاتِ الْقُدُسِ۔"

۲ :۔ "و باکورِ رھالی مقدّسین آمد۔"

۳ "اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔"

(استثنا ۳۳ : ۲)

ف :۔ اللہ تبارک وتعالےٰ کے فضل وکرم سے ہم نے "اسلام اور عیسائیت" میں ستارہویں بشارت کے تحت اس لفظ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ (حسینی)۔

فرقہ رومن کیتھولک کی بائبل میں یہ مقام یوں ہے:۔

۴:۔ " اور مریبہ قادیش میں آیا"

اس فرقہ نے تعداد کو اڑا کر اس کی جگہ مقام یا چشمہ کا نام لکھ دیا۔ جیساکہ اسی بائبل کے مندرجہ ذیل مقام سے " مریبہ قادیش " جگہ یا چشمہ کا نام ظاہر ہوتا ہے:۔

" کیوں کہ تم دونوں نے بنی اسرائیل کے درمیان صین کے بیابان میں مریبہ قادیش کے پانی پر میرے خلاف قصور کیا۔ اور بنی اسرائیل کے درمیان میری تقدیس نہ کی" (تثنیہ شرع ۳۲ : ۵۱)۔

جو لوگ عبرانی زبان کی تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ ان دونوں

(" مریبہ[1] " اور " مربہ[2] ")

لفظوں میں فرق ہے۔ کیوں کہ پہلے لفظ میں " ی" موجود اور دوسرے لفظ میں " ی" مفقود ہے، اس فرق سے ان کے معنوں میں ایسے ہی فرق پڑ گیا جیسے " خر" جس کا معنیٰ " گدھا"، اور اگر اس کے درمیان " ی" لگا دی جائے تو یہ لفظ " خیر" بن جاتا اور اس لفظ کا معنیٰ " نیکی" ہے۔ بالکل اسی طرح عبرانی کے دوسرے لفظ کے درمیان میں " ی" لگانے سے بہت بڑا فرق پڑ گیا ہے۔ عبرانی کا پہلا لفظ (مریبہ) ایک جگہ یا چشمہ کا نام ہے۔ جیساکہ اسی بائبل کے مذکورہ بالا حوالہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یا مریبہ بمعنی جھگڑا۔ عبرانی کے دوسرے لفظ " (ربہ) کا معنیٰ ہے۔ " دس ہزار"۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ یہی لفظ عبرانی عہد قدیم کی کتاب " غزل الغزلات ۵ : ۱۰ میں موجود اور یہ لفظ دسویں آیت کا بالکل آخری لفظ " اور عبرانی میں اس کے پانچ حروف ہیں۔ مَ[1] ۔ ر[2] ۔ ب[3] ب[4] ۔ ھَا[5] ۔ اس لفظ کا پہلا حرف " م" عبارت کی وجہ سے استعمال کیا گیا ہے۔ حقیقت میں یہ لفظ چار[4] حرفوں کا مجموعہ، اردو بائبل غزل الغزلات ۵ : ۱۰ میں اس کا معنیٰ " دس

ہزار" کیا گیا ہے۔ اور استثنا ۳۳ : ۲ میں بھی یہی لفظ تھا۔ جواب عبرانی تورات میں موجود نہیں۔ چنانچہ "گڈ نیوز بائبل" کے مترجمین اسی حقیقت کا اظہار کرتے اور استثنا کے زیر نظر مقام کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں:۔

" Ten thousand angels were with him "

(دس ہزار قدسی اُس کے ساتھ تھے)

ان مترجمین نے اس سے اگلی سطر کے آخری حرف پر "ڈی" لکھ کر اس کے تحت حاشیہ کی پہلی سطر میں حقیقت و صداقت کا یوں اظہار کیا ہے:۔

" Probable text ten thousand.... right hand; Hebrew unclear. "

(غالب گمان یہ ہے کہ صحیح تعداد دس ہزار" عبرانی متن دھندلا ہے۔)

الغرض چاروں نسخوں میں ترجمہ غلط کیا گیا دراصل صحیح تعداد "دس ہزار" ہے۔

چوتھی بات۔ تحریف کا اعتراف

حضرات انبیاء علیہم السلام اجمعین نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی بابت جو پیشگوئی ارشاد فرمائی تھی جناب متّی نے اُسے یوں نقل کیا ہے:۔

"اور ناصرۃ نام ایک شہر میں جا بسا تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔" (انجیل متی ۲ : ۲۳)۔

چونکہ مسیحی علماء اس بشارت کے متعلق سخت حیران و پریشان ہیں اس لئے کوئی کچھ لکھتا اور کوئی کچھ کہتا ہے۔ چنانچہ پادری جے، آر کلارک صاحب اس بشارت کے متعلق اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں:

"ناصرہ بستی کا نام ناصرہ اس لئے ہوا کہ وہ لفظ نتصر سے مشتق ہے جس

کے معنی ہیں چھوٹا پودا (یشعیاہ ۱۱-۱) میں بعینہ یہہ لفظ عبرانی میں موجود ہے۔ پس مسیح چھوٹے پودے کی طرح جڑ پکڑ کر جلال و کمال اور حیات کا بڑا درخت ہوا کہ اس کی بلندی آسمان تک پونہچی (نبیوں) کا لفظ جمع ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ سب نبیوں نے نہ ایک دو نبی نے اس کے ناصری ہونے پر گواہی دی ہے حال آنکہ لفظ ناصری کا کسی نبی کی کتاب میں سوائے (یشعیاہ ۱۱-۱) کے اور کہیں نہیں لکھا لیکن لفظ ناصری کا مفاد جو حقارت اور ذلت ہے سب نبیوں کی کتابوں میں ملتا ہے یہاں سے ظاہر ہے کہ متی کا یہی مطلب ہے کہ وہ حقیر گنا جائے گا سو اس میں کچھ شک نہیں کہ مسیح اُس بستی میں رہنے سے خود حقیر سا گیا (یوحنا ۱-۴۶) اور یہ لفظ ناصری جو اس کی نسبت اور شاگردوں کی نسبت بولا گیا لوگوں نے حقارت کے طور پر استعمال کیا ہے (اعمال ۲۴-۵) پس یہ مطلب نبیوں کے بیان کا یوسف کے ناصرے میں جاکر رہنے سے پورا ہو گیا۔"

(الخزانتہ الاسرار انجیل متی کی تفسیر مطبوعہ ۱۸۷۵ء)

پادری صاحب کے خط کشیدہ الفاظ نمبر ۱ و ۲ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ موصوف کے نزدیک یہ دونوں (ناصرۃ) (۱) ناصری (۲)) الفاظ یسعیاہ ۱۱ : ۱ میں موجود ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں الفاظ میں سے ایک لفظ بھی مذکورہ بالا مقام پر موجود نہیں۔ جس کا جی چاہے عبرانی یسعیاہ ۱۱ : ۱ کا مقام نکال کر اپنی تسلی و تشفی کر سکتا ہے۔ ہاں البتہ یسعیاہ ۱۱ : ۱ کا چوتھا لفظ "ویشی" اور اس سے اگلا یعنی ٹھیک پانچواں لفظ "نصر" ہے اس لفظ کے پہلے "و" جسے عبارت کے لحاظ سے استعمال کیا گیا ہے۔ اور اصل لفظ "نصر" جس کے صرف اور فقط تین حروف ہیں۔ ن (۱) ص (۲) ر (۳)۔ الغرض بشارت کے دونوں الفاظ (ناصرۃ (۱) اور ناصری (۲)) یقیناً یسعیاہ ۱۱ : ۱ میں پائے نہیں جاتے۔ اس حقیقت و صداقت کے پیش نظر یہ بات ظاہر ہوئی کہ پادری صاحب اپنی الہامی کتاب پر جھوٹ فرما گئے ہیں۔

یہ نیک کام سر انجام دینے کے بعد یہ ستم ڈھایا کہ لفظ "ناصری" کے غلط مفاد و مفہوم (حقارت و ذلت) کو مقدس متّیؔ کی طرف نسبت کر کے اس بشارت کو سیدنا حضرت عیسٰے علیہ السلام پر منطبق کر دیا۔ موصوف کی یہ دلیل ایسی ہی ہے جیسے نازل فرما ہونے والے "مسیح موعود" حضرت "عیسٰے" علیہ السلام ہیں۔ مگر مرزائی مبلغین "مرزا غلام احمد قادیانی" کو "مسیح موعود" قرار دیتے ہیں۔ الغرض ہزار وقت سے بھی یسعیاہ ۱۱:۱ سے زیر نظر بشارت حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ثابت نہیں ہوتی۔

ہم اس جگہ یسعیاہ ۱۱:۱۔ اور انجیل متی کے الفاظ نقل کر دیتے ہیں۔ جن سے دودھ کا دودھ پانی کا پانی نظر آئے گا۔

انجیل متّی ۲:۲۳ کے الفاظ	یسعیاہ ۱۱:۱ کے الفاظ
"اور ناصرۃ نام ایک شہر میں جا بسا تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔"	۱۔ "اور یسّی کے تنے سے ایک کونپل نکلے گی اور اُس کی جڑوں سے ایک بار آور شاخ پیدا ہو گی۔"

جب کہ عبرانی یسعیاہ میں لفظ "نصر" اور اس کا معنےٰ "شاخ" ہے اور انجیل متی ۲:۲۳ میں "ناصرۃ" ایک شہر کا نام ہے تو اس حقیقت کے پیش نظر حضرت عیسٰے علیہ السلام "ناصرۃ" شہر کے باسی اور باشندہ ہونے کی وجہ سے "ناصری" قرار پاتے ہیں نہ کہ "شاخ" کی وجہ سے۔ کہاں "شاخ" اور کہاں "شہر" نیز انجیل متّی کے خط کشیدہ الفاظ کا یسعیاہ ۱۱:۱ میں نام و نشان نہیں ملتا۔ ایسے میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کو یسعیاہ ۱۱:۱ کے الفاظ کا مصداق قرار دینا آبِ رواں پر بنیادِ مکاں رکھنے کے مترادف ہے۔

ایف، ایس خیر اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"ناصرۃ ۔ ناصرت :۔ موجودہ نام الناصرۃ ۔ زبولون کے علاقے میں ایک شہر جو یروشلیم سے ۷۰ میل شمال میں تھا۔ یہ مقدسہ مریم اور انکے خاوند یوسف کی جائے رہائش تھی۔ خُداوند یسوع نے اپنی زندگی کے تیس سال یہاں گزارے جب تک کہ وہاں کے لوگوں نے انہیں ردّ نہ کردیا۔ یہاں رہنے (۱)
کی وجہ سے انہیں ناصری کا لقب دیا گیا۔ اس شہر کا نام نہ پرانے عہد نامہ میں سے نہ اپاکر فا میں۔ نیز دیکھئے ناصری۔

ناصری :۔ ۱۔ ناصرۃ کا رہنے والا۔ چونکہ خُداوند مسیح ناصرۃ میں رہتے تھے اس لئے اُنہیں یسوع ناصری کہتے تھے اور اس کے کوئی بُرے معنے نہ تھے (اعمال ۲: ۲۲؛ ۳: ۶؛ ۱۰: ۳۸)۔ یسوع نے اسے اپنے لئے بھی استعمال کیا۔ (اعمال ۲۲: ۸)۔ دشمن اس نام کو حقارت سے استعمال کرتے تھے۔ (متی ۲۶: ۷۱؛ مرقس ۱۴: ۶۷)۔ (۲)
متی ۲: ۲۳ کا مطلب صاف نہیں " اور ناصرۃ نام ایک شہر میں جابسا تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔" عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا اشارہ یسعیاہ ۱۱: ۱ کی طرف ہے جہاں مسیح کے متعلق کہا گیا ہے کہ یسّی کے تنے سے ایک کونپل نکلے گی اور اُس کی جڑوں سے ایک (۳)
بار آور شاخ (عبرانی ۔ نصر) پیدا ہوگی۔ غالباً لفظ ناصرۃ بھی اسی مادہ سے بنا ہے۔ متی رسول یسوع مسیح کے والدین کے ناصرۃ میں رہنے کو یسعیاہ کی پیشنگوئی کا پورا ہونا تصوّر کرتا ہے۔

۲۔ اعمال ۲۴: ۵ میں مسیحیوں کو ناسری کہا گیا ہے۔" (قاموس الکتاب تحت ن ص ۹۹۶، ۹۹۷)۔

موصوف نے خط کشیدہ الفاظ نمبر ۱ میں بڑے گہرے اور عجیب انداز سے اس بات کا

اعتراف کیا ہے کہ یہ بشارت عہد قدیم کی کسی کتاب میں موجود نہیں۔
الفاظ نمبر۲۔ حقیقت یہ ہے کہ متی ۲ : ۲۳ کا مطلب و مفہوم بالکل واضح اور صاف ہے مگر نیت صاف نہیں۔
الفاظ نمبر ۳ میں جو تاویل کی گئی ہے وہ علمی دنیا میں بالکل بے قدر اور صفر ہے۔
اس کا جواب پادری فانڈر صاحب کے مندرجہ ذیل الفاظ میں موجود ہے۔ پادری فانڈر صاحب نے فریق ثانی کی ایک دلیل کو نہ سمجھتے ہوئے یہ الفاظ تحریر کئے ہیں بہر حال موصوف کے یہ الفاظ اس تاویل پر بالکل منطبق ہوتے اور صادق آتے ہیں۔ چنانچہ پادری فانڈر صاحب رقم طراز ہیں:۔

"عربی زبان میں حمد سے بہت سے الفاظ مشتق ہیں۔ لیکن محض اس بنا پر اُن سب سے حضرت محمد[1] مراد نہیں ہیں۔ کوئی جاہل مسلمان یہ بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ حضرت محمد[2] کا اسم مبارک سورۂ فاتحہ میں موجود ہے کیونکہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں لفظ حمد پایا جاتا ہے۔ اور اسی طرح سے شاید کوئی ہندو یہ کہنے کی جرأت کرے کہ رام یا اُس کے کسی اور معبود کا نام قرآن میں موجود ہے کیونکہ سورۃ الروم میں یوں مرقوم ہے کہ غُلِبَتِ الرُّوْمُ اور عربی لغت کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ روم رام سے مشتق ہے۔ اس قسم کی دلائل کو پیش کرنا ہرگز ہرگز اصحاب علم و فہم کی شان کے شایان نہیں ہے۔" (میزان الحق حصہ سوم باب۲)۔

بہر حال مذکورہ بالا تاویل مسیحی عالم کی نظر میں صحیح و درست نہیں۔
اس بشارت کی بابت پادری برکت اللہ صاحب ایم۔ اے رقمطراز ہیں:۔
"پس انبیائے سابقین کے وہ الفاظ جن کا ذکر انجیل جلیل میں آتا ہے در اصل

---

[1] صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم [2] صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (حسینی)۔

صدیوں بعد کے کسی آنے والے شخص کے لئے خاص طور پر پیشگوئیوں کے طور پر نہیں لکھے گئے تھے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان الفاظ کا تعلق ان انبیاء کے زمانہ یا اُس زمانہ کے نزدیک کے مستقبل کے کسی تواریخی واقعہ یا شخص کے ساتھ تھا۔" (تورات موسوی اور محمدؐ عربی صفحہ ۲۸)۔

پادری صاحب نے حجاب و نقاب میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ متی ۲: ۲۳ والی بشارت عہد قدیم کی کسی کتاب میں موجود نہیں اور حقیقت بھی یہی ہے۔

پادری ڈاکٹر، ایچ، یو۔ ویٹنٹس صاحب پی، ایچ، ڈی صاحب متی ۲: ۲۳ کے تحت رقم طراز ہیں:۔

(۱)

"عہد نامہ قدیم میں کہیں اس بشارت کا پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک نفرت والی جگہ میں رہنا اس بات سے ملتا جاتا ہے کہ نبیوں نے مسیح کی خاکساری کی تصویر بھی ایسی کھینچی اُس وقت مسیحی بنظر حقارت نذرین کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ (دیکھو اعمال ۲۴: ۵)

(۲)

اور مسلمان اب تک مسیحیوں کو نصاریٰ کہتے ہیں۔" (تفسیر متی صفحہ ۲۷ از پادری موصوف مترجم پادری طالب الدین صاحب بی، اے۔ مطبوعہ ۱۹۲۸ء)

مسیحی مفسّر نے خط کشیدہ الفاظ نمبر ۱ میں کھلے بندوں اور صاف طور پر اس بات کا اقرار کیا ہے کہ زیر نظر بشارت عہد قدیم کی کسی کتاب میں موجود نہیں۔

باقی رہے خط کشیدہ الفاظ نمبر ۲ تو ہم ان کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ہم اہل اسلام سیّدنا حضرت عیسٰے علیہ السلام کو "ناصری" اور آپؑ کے شاگردوں کو "نصاریٰ" ذلت و حقارت کی وجہ سے ہرگز ہرگز نہیں کہتے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ نے اس وجہ کی وضاحت یوں بیان فرمائی ہے:۔

"نصاریٰ:۔ نصرانی۔ پیروانِ حضرت عیسٰے علیہ السلام۔ حضرت

عیسٰے علیہ السلام نے یہودیوں کو طرح طرح دینِ اسلام کی دعوت دی اور قسم قسم کے معجزات دکھائے مگر وہ کفر پر اڑے رہے۔ اور اُن کے درپے ایذا ہوئے تو اُنہوں نے پریشانی کے عالم میں پکارا مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ (اللہ کے راستے میں کون میرا مددگار ہے؟) تو حواریوں کی مٹھی بھر جماعت نے جسے اللہ تعالےٰ نے قبولِ حق کی توفیق سے نوازا تھا۔ جواب دیا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَاشْہَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ (ہم ہیں اللہ کے دین کے مددگار ہم اللہ پر ایمان لائے اور گواہ رہیئے کہ ہم اس کے فرمانبردار ہیں) نصرت و حمایت کے اس وعدہ کی بنا پر یہ لوگ نصارٰی کہلائے پھر بعد میں تمام مدعیانِ دینِ عیسوی اسی نام سے موسوم ہوئے۔ اس قول کی بنا پر نصارٰی نَصران کی جمع ہے۔ جیسے نَدَامٰی نَدْمَانَ کی اور واحد نَصران میں یٰ مبالغہ کے لئے اضافہ کرکے نَصرانِیْ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اَحْمَر میں یائے مبالغہ اضافہ کرکے اَحْمَرِیْ (بہت زیادہ سرخ) بنا لیتے ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ نَصَارٰی نَصْرَانِیْ کی جمع ہے اور نصرانی شہر ”ناصرہ“ کی طرف منسوب ہے (خلاف قیاس) ناصرہ فلسطین کا وہ شہر ہے جہاں حضرت عیسٰے علیہ السلام نے پرورش پائی۔ صاحب ”المنجد“ جو خود عیسائی ہیں دوسرے ہی قول کو اختیار کیا ہے“

(قاموس القرآن قرآنی ڈکشنری تحت نصارٰی)

یاد رہے کہ ہم اہل اسلام کے نزدیک سیدنا حضرت عیسٰے علیہ السلام“ اللہ تبارک و تعالےٰ کے رسول ہیں۔ اور جو انسان آپ کو حقارت اور ذلت کی نظر سے دیکھتا ہے تو ہم اس انسان کو بے ایمان جانتے اور مانتے ہیں۔ باقی رہا دیگر افراد کا معاملہ، تو جب تک یہ افراد آپ کی صحیح تعلیم پر گامزن اور آپ کے پیروکار رہے تو ان مقدس افراد کو ہم اہلِ اسلام نظرِ عقیدت اور نگاہِ محبت سے دیکھتے اور ان کو واجب التعظیم والتکریم

سمجھتے ہیں۔ اگر اب بھی کوئی شخص ہمارے اس نظریہ کے برعکس ہماری طرف کوئی بری بات منسوب کرتا ہے تو ہم اس سے بری اور یہ بات کذب و افترا کے سوا کچھ بھی نہیں۔

الغرض ہم نے اس بات کو اظہر من الشمس کر دیا ہے کہ متی ۲: ۲۳ کی بشارت عہد قدیم کی کسی کتاب میں موجود نہیں۔ حالانکہ مقدس متی نے اس بشارت کو بالکل صحیح اور الہام سے تحریر کیا۔ تو اس کے عہد قدیم میں موجود نہ ہونے کی وجہ صرف یہی ہے کہ یہودیوں نے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بغض و عداوت کی بنا پر اس بشارت کو عہد قدیم سے خارج کر دیا ہے اور یہ بات بالکل بجا اور درست ہے کیوں کہ مسیحیوں میں یہ بات مشہور و معروف تھی کہ سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کی بابت جو بشارات عہد قدیم میں تھیں یہودیوں نے ان کو بدل دیا ہے۔ چنانچہ ایف، ایف بروس، ایم۔ اے۔ ڈی۔ ڈی صاحب لکھتے ہیں:۔

"جب کلیسیا میں زیادہ تر یونانی بولنے والے شریک ہونے لگے تو یہ شہادتیں ترجمۂ ہفتادہ پر مبنی تھیں اور بعض اوقات یہ ترجمہ عبرانی سے نہیں ملتا تھا۔ وہ یہودی جن کی طرف ان شہادتوں کا اشارہ تھا یہ جواب دیا کرتے تھے کہ "یہ ترجمہ عبرانی سے بڑا ہی مختلف ہے" (طریفو نے یوسطین کو یہی کہا تھا)۔ لیکن یونانی مسیحی یہ کہا کرتے تھے کہ "وہ پیشین گوئیاں جو مسیح کی آمد کے بارے میں ہیں، ان میں یہودیوں نے دیدہ و دانستہ رد و بدل کر دیا ہے"۔

(طلوعِ مسیحیت ص ۸۲)۔

تصحیف اور تحریف میں فرق

"تصحیف" اور "تحریف"۔ اِن دونوں لفظوں میں یہ فرق ہے کہ "تصحیف" میں

عمداً اور سہواً دونوں مفہوم موجود ہیں۔ اور "تحریف" میں صرف عمداً ہی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اسی فرق کی بنا پر قرآن کریم اور فرقان حکیم نے پہلی کتابوں کی بابت تحریف کا دعویٰ کیا۔ نیز عربی یسعیاہ ۲۴ : ۵ میں (غَیَّرُوا الْفَرِیْضَۃَ یعنی انہوں نے شریعت کو بدلا) اور عربی یرمیاہ ۲۳ : ۳۶ میں (اِذْ قَدْ حَرَّفْتُمْ کَلَامَ الْاِلٰہِ یعنی پس تم نے خدا کے کلام کو بگاڑ لیا ہے)۔ چونکہ یہ کام عمداً کیا گیا اس لئے ان کتابوں میں یہ دونوں الفاظ استعمال کئے گئے۔ "تصحیف" کا لفظ اس لئے استعمال نہیں کیا گیا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ سہواً ایسا ہوا ہے۔

پادری صاحب نے مسیحیوں کے جو الفاظ (ان میں یہودیوں نے دیدہ و دانستہ ردّوبدل کر دیا ہے) نقل کئے ہیں۔ ان سے یہ حقیقت خوب روشن ہوتی ہے کہ ظہور اسلام سے کئی صدیاں قبل مسیحی لوگ اس بات کے معترف تھے کہ یہودیوں نے عہد قدیم میں تحریف کی ہے۔ کیونکہ جس کلام میں "دیدہ و دانستہ ردّوبدل" کیا جائے اُسے "محرّف" کہتے ہیں۔ الحاصل بائبل میں الحاقی فقرات، دھندلے مقامات، غلط تراجم اور متی ۲ : ۲۳ والی بشارت عہد قدیم میں موجود نہ ہونے کی بنا پر ہم اہل اسلام کے ہاں بائبل کی وہ حیثیت نہیں جو اہلِ بائبل کے ہاں ہے

غلط فہمی کا ازالہ

قرآن مجید اور فرقانِ حمید ارشاد فرماتا ہے کہ فخرِ موجودات، سرورِ کائنات، شافع محشر ساقیِ کوثر، صاحبِ لولاک اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بشارات اہل کتاب کی کتابوں میں موجود ہیں مگر مسیحی علماء اس صداقت کے منکر ہیں۔ چنانچہ پادری وکلف اے سنگھ صاحب "فارقلیط" کے مصداق پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"یہاں ہم بڑے ادب سے اپنے مسلمان بھائیوں سے عرض کرتے ہیں کہ اگر

مسیحی ان آیات میں مذکور "مددگار" (پاراکلیتوس ۔ فارقلیط) یعنی روح حق کو آنحضرت[۱] قبول نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ انہیں آپ کے نبی[۲] سے کوئی پُرخاش[۲] ہے۔ جہاں وہ بائبل مقدس کی دیگر سچائیوں کے قائل ہیں، اس بات کو قبول کرنے میں کون سی قباحت تھی! وہ بنی اسرائیل کے تمام انبیائے کرام جن کا ذکر کتاب منیر میں آیا ہے اقرار کرتے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے فرستادہ اور برحق نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اگر واقعی آنحضرت صلعم کا ذکر کتاب مقدس میں ہوتا تو وہ اس سے ہرگز روگردانی نہ کرسکتے بلکہ وہ ان کا اُسی طرح اتباع کرتے جیسے حضور مسیح[۳] کا کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ متذکرہ بالا آیاتِ شریفہ میں جس مددگار (پاراکلیتوس۔ فارقلیط) یعنی روحِ حق کا اشارہ حضور مسیح[۴] نے کیا ہے اُس کا تعلق رسولِ عربی[۵] سے نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی غلط فہمی ہے جس کا ازالہ و تدارک جتنی جلدی ممکن ہو سکے بہتر ہوگا۔" (فارقلیط[۶] صفحہ ۹، ۱۰)۔

ہم پادری وکلف صاحب کے ان الفاظ کی بابت کہتے ہیں کہ مسیحی علماء اس بات کے مدعی ہیں کہ سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کی بابت بشارات عہدِ قدیم میں موجود ہیں مگر

۱؎ صلی اللہ علیہ وسلم   ۲؎ صلی اللہ علیہ وسلم (حسینی)

۲؎ "پرخاش" غلط۔ صحیح "پرخاش" ہے (حسینی)

۳؎ علیہ السلام ۴؎ علیہ السلام ۵؎ علیہ السلام ۶؎ بندہ نے پادری صاحب کے اس رسالہ کا جواب "فارقلیط کون ہے" کے نام سے ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۶ھ بمطابق ۱۴ مئی سنہ ۱۹۸۶ء کو شائع کیا یہ رسالہ پادری وکلف صاحب کو مل گیا تھا مگر اب تک جواب نہیں لکھ سکے۔ یاد رہے کہ "فارقلیط کون ہے" کا نام بدل کر "بشارت علیٰ" رکھا، اس میں اضافہ بھی کیا اور گیارہ سال بعد (۱۵ شوال سنہ ۱۴۱۷ھ بمطابق ۲۴ فروری سنہ ۱۹۹۷ء) میں اسے دوبارہ شائع کیا ہے۔ (حسینی)۔

یہودی علماء اس بات کے منکر اور وہ مسیحی علماء کو کہتے ہیں کہ

"ہم بڑے ادب سے اپنے مسیحی بھائیوں سے عرض کرتے ہیں کہ اگر یہودی حضور مسیح[1] کو قبول نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ انہیں آپ کے مسیح[2] سے کوئی پرخاش ہے۔ جہاں ہم مقدس عہد قدیم کی دیگر سچائیوں کے قائل ہیں، اس بات کو قبول کرنے میں کون سی قباحت تھی! وہ بنی اسرائیل کے تمام انبیائے کرام جن کا ذکر عہد قدیم منیر میں آیا ہے اقرار کرتے اور اُنہیں اللہ تعالیٰ کے فرستادہ اور برحق نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اگر واقعی حضور مسیح[3] کا ذکر مقدس عہد قدیم میں ہوتا تو ہم اس سے ہرگز روگردانی نہ کر سکتے بلکہ ہم اُن کا اُسی طرح اتباع کرتے جیسے حضور موسیٰ[4] کا کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضور مسیح[5] کا ذکر عہد قدیم میں نہیں ہے حضور مسیح[6] کا ذکر مقدس عہد قدیم میں سمجھنا یہ ایک ایسی غلط فہمی ہے جس کا ازالہ و تدارک جتنی جلد ممکن ہو سکے بہتر ہوگا"

مسیحی علماء اس مقام پر جو جواب یہودیوں کو دیں گے ہمارا جواب بھی ان کے لئے وہی ہے۔!! جب مسیحی علماء سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کی صداقت پر عہد قدیم سے بشارات یہودی علماء کے سامنے پیش کرتے ہیں تو یہودی علماء اُن کی باطل تاویلات کر کے اُن کا انکار کر دیتے ہیں۔ الغرض وہ لوگ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بابت بشارات عہد قدیم میں ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کرتے اور جب ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت بشارات بائبل سے مسیحی علماء کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ تو یہ لوگ اُن میں باطل تاویلات کر کے ان کا انکار کر دیتے ہیں۔ الغرض صاحب لولاکؐ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بشارات بائبل میں مسیحی علماء ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کرتے اس

[1] علیہ السلام [2] علیہ السلام [3] علیہ السلام [4] علیہ السلام [5] علیہ السلام [6] علیہ السلام (احسین)

طریق سے یہودی علماء کی طرح سوہانِ روح اور مکروہ سلوک ہمارے ساتھ بھی کیا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں اس بات پر بھی ٹھنڈے دل اور نگاہِ عدل سے توجہ فرمائیے کہ قرآن پاک کئی آیات مبارکہ میں اس حقیقت کا ببانگ دُہل اعلان فرماتا ہے۔ کہ فخر کون ومکاں اور پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی بابت بشارات پہلی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور اسی صداقت کے پیشِ نظر ہجرت مکہؐ سے قبل حضرت نجاشیؓ اور دیگر بہت سے افراد عیسائیت کو ترک کر کے مشرف بہ اسلام ہوئے اور ہجرت بکا کے بعد حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور دیگر بہت سے اشخاص نے یہودیت کو خیرباد کہہ کر اسلام کی حلقہ بگوشی قبول کی۔ تو اس حقیقت کے پیشِ نظر اگر امام الانبیاء اور محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں پیشنگوئیاں یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں موجود نہ ہوتیں تو یہ لوگ اپنے آبائی مذہب سے تعلق توڑ اور منہ موڑ کر کبھی بھی اسلام میں داخل نہ ہوتے اور جو لوگ ان آیاتِ مقدسہ کے نزول سے پیشتر کلمہ طیبہ پڑھ چکے تھے وہ بھی اس وجہ سے اسلام سے رفوچکر اور تتر بتر ہو جاتے کہ قرآن پاک کا یہ دعویٰ خلافِ واقعہ ہے۔ یقین کیجئے اور سچ جانیے کہ رحمت للعالمین اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں ایک بھی ایسا واقعہ رونما نہیں ہوا۔ اس سے کلام ربانی اور وحی آسمانی کے اس دعویٰ کی صداقت خوب اُجاگر اور منور ہو جاتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے معاصرین اہل کتاب کو اس بات کا اقرار تھا کہ آپؐ کی بابت بشارات اُن کی کتابوں میں موجود ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ آپؐ پر وہ لوگ ایمان کیوں نہ لائے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اُن کی مصلحتیں اور مجبوریاں اُن کے آڑے آئیں۔ جیساکہ آج بھی دنیا میں ایسے بے شمار اور لاتعداد انسان موجود ہیں۔ جو آپؐ کے فضائل و محاسن بیان کرتے اور آپؐ کو نظرِ محبت سے دیکھتے ہیں مگر آپؐ پر ایمان نہیں لاتے۔ القصہ اُس وقت کے اہل کتاب اس

حقیقت کے معترف تھے کہ ذات بابرکات اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بشارات اُن کی کتابوں میں موجود ہیں۔

ہم مسلمان قرآن پاک کے فرمان مبارک کے مطابق یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارات بائبل میں موجود ہیں۔ مگر پادری وکلف صاحب اس بات کا سختی سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے اس انکار کے پیشِ نظر ذوق تقاضا کرتا اور دل میں آتا ہے کہ ان کے دینی و مذہبی بھائی کا قول نقل کر دیا جائے اور یہ قول، قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ گو پادری وکلف اے سنگھ صاحب اسے تسلیم نہ کریں مگر اس سے یہ فائدہ یقیناً ہو گا کہ یہ حقیقت کھل کر منظر عام پر آجائے گی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بشارات بائبل میں موجود اور فرمانِ حمید کا یہ دعویٰ حق و صداقت پر مبنی ہے۔ چنانچہ پادری غلام مسیح صاحب ایڈیٹر "نور افشاں" لاہور رقم طراز ہیں:

"غزل الغزلات کا مصنّف قیدار کے خیموں کی تعریف میں لکھتا ہے کہ اے یروشلیم کی بیٹیو قیدار کے خیموں کی مانند۔ سلیمان کے پردوں کی مانند ۱:۵ زبور کا مصنّف لکھتا ہے کہ میں مسک میں سکونت کرتا اور قیدار کے خیموں کے پاس رہتا ہوں ۱۲۰:۵۔ یسعیاہ نبی لکھتا ہے کہ بیابان اور اُس کی بستیاں۔ قیدار اور اُس کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع کے رہنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر للکاریں گے ۴۲:۱۱ پھر لکھتا ہے۔ عرب کے صحرا میں تم رات کاٹو گے۔ اے دوانیوں کے قافلو۔ پانی لیکے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو روٹی لیکے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو۔ کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔ کیونکہ خداوند نے مجھکو یوں فرمایا۔ ہنوز ایک برس ہاں مزدور کے سے ایک

ٹھیک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہیگی۔ اور تیر اندازوں کے جو باقی رہے۔ قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائینگے کہ خداوند اسرائیل کے خُدا نے یوں فرمایا ہے۔ ۲۱: ۱۳ تا ۱۷

پھر زبور میں آیا ہے کہ "سبا اور سیبا کے بادشاہ ہدیے گذرانینگے" ۷۲: ۸۔۱۰

بیان مافوق میں عرب کی بابت

اُس کے باشندوں کی بابت

اُس کے بادشاہوں اور تجاروں کی بابت

اُس کی صنعت و حرفت کی بابت

اُس کی قدرتی دولت و پیداوار کی بابت

حیرت انگیز صداقت

کا اظہار آیا ہے۔

اُس کی حکومت کی بابت

تعجّب خیز سچائی کا بیان

آیا ہے۔

جو عام طور سے مسلم دنیا کی نظروں سے چھپی چلی آئی ہے"۔

(کوائف العرب یا قبل از اسلام عرب ص ۲۴، ۲۵)۔

موصوف نے بائبل سے جو مقامات نقل کئے ہیں۔ علماء اسلام نے انہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بشارات قرار دیا اور اُنہیں آپؐ پر منطبق کیا۔ پادری صاحب نے اسی حقیقت کو بڑے لطیف پیرایہ میں تسلیم اور تحریر کیا ہے۔ نیز آپ نے اپنے آخری اور خط کشیدہ الفاظ میں یہ ظاہر کیا کہ عام مسلمانوں کی اکثریت ان بشارات سے بے خبر ہے۔

ناظرین کرام! ہم نے قرآن مجید کے دعویٰ اور اپنے نظریہ کو ایک مسیحی عالم کی زبان سے احسن طریقہ اور عمدہ سلیقہ سے ثابت و ظاہر کر دیا ہے۔ اگر کوئی اب بھی اس صداقت بھری حقیقت کا انکار کرے تو اس کی اپنی مرضی ہے۔ کیونکہ مارنے والے کا ہاتھ تو پکڑا جا سکتا ہے مگر بولنے والے کی زبان نہیں پکڑی جا سکتی۔

اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی سماعت فرمائیے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ معمولی نہیں بلکہ بہت بلند اور اعلٰے ہے۔ جن کی کامل نظر نے عرب کے جاہل اور کاہل انسانوں کو دنیا کے بادشاہ، رہنما اور دنیا کی کایا پلٹ دی چنانچہ پادری غلام مسیح صاحب اس بات کی پُر زور شہادت دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

"رسالہ ہذا عرب کے فرزند اعظم کے زمانہ پر ختم ہو گیا ہے۔ جنکی زندگی اور کام اور فتوحات کا بیان کسی دوسرے وقت کیلئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ مگر آپؐ کی زندگی کے کام کا جو اثر ہمارے زمانہ کی انسانی آبادی پر ہے اُس کا ذکر ہم نے رسالہ ہذا کی پہلی فصل میں ہی کر دیا ہے۔ تاکہ ہمارے ناظرین کرام رسول عربیؐ کی زندگی پر سنجیدگی سے غور فرما سکیں اور اسباب کو صفائی سے دیکھ سکیں کہ رسول عربیؐ ہرگز کوئی معمولی ہستی نہ تھا بلکہ اقوام دہر کی اصلاح و درستی کے لئے اور اُن کی تہذیب و شائستگی کی کایا پلٹ کرنے کیلئے خدا کے انتظام میں ایک منتخب شدہ وسیلہ تھا جس کی عزت و حرمت کی محافظ آج کے دن کم از کم دنیا کی ۲۴ کروڑ آبادی موجود ہے۔" (کوائف العرب ص۳)

ع شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

ان سطور کے بعد آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جس کتاب سے بشارت پیش کی جا رہی ہے۔ اس کے لئے ذوق تقاضہ کرتا اور دل میں آتا ہے کہ پہلے اس کتاب کی وہ عزت و عظمت ظاہر کر دی جائے جو اُسے مسیحی دنیا میں حاصل ہے۔ چنانچہ اُس کتاب کا

نام ”رومن کیتھولک“ کے ہاں ” نَشِیدُ الأَناشید“ اور پروٹسٹنٹ اسے ”غزل الغزلات“ کے نام سے پکارتے ہیں۔

غزل الغزلات مسیحی علماء کی نظر میں

فرقہ رومن کیتھولک کی بائبل میں اس کتاب کے آغاز میں مندرجہ ذیل الفاظ لکھے گئے ہیں:۔

”نشید الاناشید“ یا غنائے سلیمانی کا الہامی مصنّف صوفیانہ طور پر دُلہے اور دلہن کی عشقیہ گفتگو کی تمثیل سے خداوند متعال اور اُمّتِ اسرائیل کے عقدِ روحانی کی بحالی کا بیان کرتا ہے۔ اور اسی میں پھر کنایتاً مسیحؑ اور کلیسیا کے عمدہ اتفاق کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ بعض روحانی مُصنفین ان باتوں کے علاوہ اس کتاب میں کامل ارواح۔ اور خصوصاً خاتونِ مبارک مقدسہ مریم کنواری کے ساتھ خُدائے مہربان کے ناقابلِ بیان وِصال کا ذکر پاتے ہیں“۔

ایف، ایس خیر اللہ صاحب ”غزل الغزلات“ کے متعلق رقمطراز ہیں:۔

”۴۔ تشریح و تفسیر کے مختلف نظریئے

اس نظم کی تفسیروں کا ایک انبار ہے جن میں علماء کے درمیان اس کے اصل معانی اور مقصد پر کوئی اتّفاق رائے نہیں پایا جاتا۔ بے حجابانہ عشقیہ گیت“ مذہبی موضوعات کا فقدان، واقعہ نگاری کی بے ترتیبی ایسے امور ہیں جو عالموں کیلئے ایک چیلنج اور خیالات کے گھوڑے دوڑانے کے لئے ایک کھُلا میدان ہیں

ان عشقیہ گیتوں کو الہامی فہرستِ کتب میں جگہ دینے کا مسئلہ یہودی ربّیوں اور آبائے کلیسیاء نے تمثیلی اندازِ تفسیر اختیار کرکے حل کرلیا ہے۔

اس انداز کی کچھ باقیات مشنہ اور تلمود میں ملتی ہیں۔ جبکہ تارگوم میں اس عشقیہ داستان میں خدا اور اسرائیل کے درمیان اُس کی تاریخ میں مہر و وفا کی تصویر بتائی جاتی ہے۔ ایکدفعہ جب مجازی اندازِ تفسیر کی بنا رکھ دی گئی تو ربیوں کا اسے مزید وسعت دینے اور معنی کے نئے نئے رنگ پہنانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانیکا سلسلہ چل نکلا۔ نظم کے مختلف حصّوں کو توڑ مروڑ کر بنی اسرائیل کی تاریخ پر منطبق کیا جاتا رہا۔ آبائے کلیسیا اور مابعد کے مسیحی مفسروں نے اسے مسیح میں "بپتسمہ" دے ڈالا اور اس میں مجازی پیرائے میں کلیسیا یا ایماندار کے لئے مسیح کی محبت کا سراغ لگانے کی سعی شروع کر دی۔ شولمیت کے حسن اور پاکیزگی میں رومن کیتھولک علماء کو مقدّسہ مریمؑ کی تصویر نظر آئی۔ مسیحی مفسّرین تفصیلات میں تخیّل کی تانیں اڑانے میں ربیّوں سے کسی طرح پیچھے نہیں رہے ہیں۔ زمانہ حال تک بھی پروٹسٹنٹ فکر پر مجازی طرزِ تفسیر غالب رہا ہے اور بڑے بڑے علماء اس کے حامی چلے آرہے ہیں۔ ایک اور قسم کی تشریح علامتی طرزِ تفسیر ہے۔ یہ نظم کی معنوی حیثیت کو بھی برقرار رکھتی ہے لیکن اعلٰے وارفع اور گہرے روحانی مطالب کی بھی نشاندہی کرتی ہے۔ اس طرزِ تفسیر میں مجازی تفسیر کی طرح تفصیل میں جانے کی بجائے نظم میں وفا اور محبّت کے اہم موضوعات پر زور دیا جاتا ہے۔ اور اس کہانی میں مسیح اور اُس کے ہیرو کے مابین محبّت کے رشتے کی تصویر دیکھی جاتی ہے۔"

(قاموس الکتاب تحت "غ" صفحہ ۶۸۴، ۶۸۵)۔

مسیحی علماء کے مندرجہ بالا بیانات اس بات کی پُر زور شہادت دیتے ہیں کہ ان کو اس حقیقت کا اعتراف اور اقرار ہے کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے "غزل الغزلات" میں ایک وجود مبارک کے جلوہ آرا اور تشریف فرما ہونے کی بشارت بیان فرمائی ہے اس حقیقت

کے پیشِ نظر بعض مسیحی علماء اسے سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں تسلیم کرتے اور بعض اسے حضرت مریم علیہا السلام کی بابت مانتے ہیں۔ گو مسیحی علماء کے نزدیک اس بشارت کے مصداق میں تو اختلاف پایا جاتا ہے مگر وجود بشارت کا کسی کو انکار نہیں۔

بہر حال "غزل الغزلات" میں ایک مقدس وجود کی بشارت موجود ہے۔

بشارت کا مصداق

ہمارے نزدیک حقیقت یہ ہے کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اس ربانی نغمہ میں جس مقدس ذات اور متبرک وجود کی بشارت دی ہے۔ تو ساتھ ہی اُس کی علامات بھی بیان فرما دی ہیں تاکہ عقلِ سلیم اس کے صحیح مصداق کو سمجھنے میں دقت و کلفت میں گرفتار اور حیرانی و پریشانی کا شکار نہ ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیغمبر سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی اس بشارت کے صحیح مصداق کی مندرجہ ذیل علامات بیان فرمائی ہیں:

"۱۰۔ میرا محبوب سرخ و سفید ہے۔

وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔

۱۱۔ اُس کا سر خالص سونا ہے۔

اُسکی زلفیں پیچ در پیچ اور کوّے سی کالی ہیں۔" (غزل الغزلات ۵: ۱۰،۱۱)

آؤ حُسنِ یار کی باتیں کریں
زلف کی، رُخسار کی باتیں کریں

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے آیت ۱۰،۱۱ کے پہلے دونوں الفاظ (میرا محبوب) میں اُس مقدس وجود سے اپنی قلبی الفت و محبت کا یوں اظہار فرمایا کہ اُسے اپنا "محبوب" قرار دیا اور اس کے بعد آپؑ نے اپنی بشارت کے مصداق کے چہرہ مبارک کے حسن و جمال کا ذکر خیر بھی دو لفظوں (سرخ و سفید) میں فرمایا۔ اور یہ علامت صاحبِ لولاک اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر بالکل صادق آتی ہے کیونکہ آپؐ کے چہرہ مبارک کا رنگ "سرخ

اور سفید" تھا۔ چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ "شمائل ترمذی" کے اردو ترجمہ "خصائل نبویؐ" کے صفحہ ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید سُرخی مائل تھا۔"

بشارت کی دسویں آیت کے دوسرے حصّے کے الفاظ یوں ہیں:۔

"وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔"

بشارت کے یہ الفاظ فتح مکّہ کے مبارک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم پر بالکل منطبق ہوتے ہیں۔ کیونکہ اُس دن آپؐ کے ساتھ ٹھیک دس ہزار (۱۰۰۰۰) جانثار حضرات صحابہؓ تھے

مسیحی علماء بھی اس حقیقت کے معترف، چنانچہ پادری فانڈر صاحب رقم طراز ہیں:۔

"ہجرت کے آٹھویں سال میں جب حضرت محمدؐ نے مکّہ پر لشکر کشی کی تو دس ہزار (۱۰۰۰۰) مسلمان آنحضرتؐ کے ساتھ تھے۔" (میزان الحق حصّہ سوم باب ۴)۔

نیز پادری برکت اللہ صاحب ایم۔ اے لکھتے ہیں:۔

"مکّہ کی جانب روانگی غرض ۱۰ رمضان ۸ھ مطابق یکم جنوری ۶۳۰ء کے روز آنحضرتؐ مہاجرین و انصار اور قبائل عرب کے ہمراہ مکّہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپؐ کے ساتھ دس ہزار (۱۰۰۰۰) آدمی تھے۔" (محمدؐ عربی ص ۱۷۴)۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم فتح مکّہ کے مبارک موقع پر دس ہزار (۱۰۰۰۰)، وفادار حضرات صحابہؓ سے ممتاز نظر آتے، کیونکہ آپؐ اونٹ پر سوار تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"خدا کا برگزیدہ رسولؐ جس وقت (۲۰ رمضان) شہر میں داخل ہوا۔ اس وقت سر جھکائے قرآن مجید (سورۃ فتح) کی تلاوت فرما رہا تھا اور اونٹ کی سواری پر بیت اللہ کو جا رہا تھا۔" (رحمۃ للعالمین جلد اوّل ص ۱۵۴)۔

نیز پادری برکت اللہ صاحب ایم۔ اے لکھتے ہیں:۔

"جب آنحضرتؐ مقام ذی طویٰ میں پہنچے تو آپؐ نے اونٹ کو ٹھہرایا اور خدا کی عنایت اور فتح دیکھ کر اپنا سر خدا کے سامنے جھکایا اور پروردگار کا شکریہ ادا کیا"
(محمدؐ عربی صٓ ۱۷۶)۔

چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم فتح مکہ کے مبارک دن ٹھیک دس ہزار (10000) حضرات صحابہؓ کے ساتھ اور آپؐ اونٹ پر سوار ہونیکی وجہ سے دس ہزار (10000) حضرات صحابہؓ میں ممتاز نظر آتے اور دکھائی دیتے تھے۔ اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس مقام کے مصداق ہیں۔

گیارہویں آیت کے پہلے الفاظ یوں ہیں:۔

"اُس کا سر خالص سونا ہے۔"

چونکہ ان الفاظ کے معنے صاف صاف معلوم نہیں ہوتے اس لئے ان کے متعلق کچھ بھی تحریر نہیں کیا گیا۔ اور دیانت اور ضمیر نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ ان کے معنے اور مفہوم من مانی اور نفسانی وضع کر لئے جائیں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ یہ مقام مدح ہے قدح نہیں۔ اس لحاظ سے ان الفاظ کا جو بھی معنےؔ اور مفہوم مراد لیا جائیگا وہ بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر یقیناً صادق آئے گا۔ کیونکہ جب دیگر مقامات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہیں تو یہ مقام بھی آپؐ کی بابت ہے۔

گیارہویں آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں:۔

"اُس کی زلفیں پیچ در پیچ اور کوّے سی کالی ہیں۔"

یہ الفاظ بھی رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتے ہیں کیونکہ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ بالکل پیچیدہ نہ بالکل سیدھے۔ (بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھنگریالہ پن تھا)"۔ (خصائل نبویؐ۔ ترجمہ شمائل ترمذی صٓ ۹)۔ "قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرتؐ

انس رضؓ سے پوچھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کیسے تھے؟ اُنھوں نے فرمایا کہ نہ بالکل پیچیدہ نہ بالکل کھلے ہوئے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھنگریالہ پن لئے ہوئے تھے۔ جو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔" (ص ۳۷)

"ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال تقریباً بیس (۲۰) تھے۔" (ص ۳۹)

چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کالے اور پیچ دار تھے۔ اور زیر نظر بشارت میں یہ علامت موجود ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس بشارت کے مصداق ہیں۔

اسی باب کی سولھویں آیت یوں ہے:۔

"اُس کا منہ از بس شیرین ہے ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے۔
اے یروشلیم کی بیٹیو!
یہ ہے میرا محبوب - یہ ہے میرا پیارا۔"

اردو بائبل میں جس عبرانی لفظ کا ترجمہ "واحد" کی صورت میں "عشق انگیز" کیا گیا ہے دیگر زبانوں میں اُس کا ترجمہ یوں ہے:۔

عربی بائبل	"مشتہیات"
فارسی بائبل	"مرغوب ترین"
انگریزی گڈ نیوز بائبل	"enchants"

ہم مندرجہ بالا تراجم پر کوئی طویل تبصرہ نہیں کرتے مگر یہ بات ضرور کہتے ہیں کہ عبرانی عہد قدیم میں جو لفظ "غزل الغزلات" ۵: ۱۶ میں موجود ہے۔ یہ تراجم یقیناً اُس لفظ سے میل نہیں کھاتے بلکہ بالکل جداگانہ چیز نظر آتے ہیں۔ مسیحی مترجمین نے یہ کھیل کسی خاص مصلحت و حکمت کی وجہ سے کھیلا ہے۔ اس کھیل کی قلعی ابھی ابھی

کھل اور حقیقت منظر عام پر آجائے گی۔

اللہ ربُّ العزت کی قدرت و حکمت

یہ بات اس مقام پر بہت زیب دیتی ہے کہ عبرانی عہد قدیم سے اس لفظ کو نقل کرنے سے قبل ایک ضروری بات کا اظہار کر دیا جائے اور وہ بات یہ ہے کہ اللہ ربُّ العزت کی قدرت و حکمت سے جس طرح عبرانی عہد قدیم میں آج تک "بکا" کا لفظ موجود جیسا کہ پہلے (تیسری بات: غلط تراجم کا انکشاف کے تحت ص ۱۱ تا ۱۶) گزر چکا ہے اور مسیحی علماء اس لفظ کے واضح مفہوم اور صحیح مطلب کو چھپانے کی خاطر کتنے پاپڑ بیلتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اللہ ربّ العزت کی قدرت و حکمت سے عبرانی عہد قدیم میں زیر نظر مقام پر صحیح لفظ موجود اور زندہ ہے:

מחמדים

("محمدیم")

مسیحی علماء اس لفظ کو اس لئے غلط انداز میں پیش کرتے ہیں تاکہ حقیقت انسانی نگاہوں سے اوجھل اور صداقت پر پردہ پڑا رہے۔

جو کچھ اس مقام پر تحریر کیا جا رہا ہے اس کی تفصیل تو آئندہ صفحات پر آئیگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ مختصر یہ کہ عبرانی عہد قدیم کے ایک اور لفظ کی بابت صرف اسلئے نقل کیا جاتا ہے تاکہ لفظ "محمدیم" کی صداقت منور اور حقیقت اجاگر ہو، اصلیت دماغ میں آ اور دل میں

سما جائے۔ چنانچہ وہ لفظ یوں ہے:۔

אלהים

(اِلُوہِیم)

یہ عبرانی لفظ عبرانی عہد قدیم کی پہلی کتاب بریشیت (پیدائش) کے پہلے باب کی پہلی آیت کا تیسرا لفظ اور "جمع" کی صورت میں ہے۔ چونکہ یہودی لوگ باری تعالےٰ کی احدیت و وحدت کو بلا سہیم" بلا اقنوم مانتے اور تثلیث کے ہرگز ہرگز قائل نہیں اس لئے وہ اس "جمع" کے لفظ میں عددی جمع کے قائل نہیں۔ نتیجہ یہ کہ یہودیوں کے ہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کو ادب و احترام کے پیش نظر "اِلُوہِیم" کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے مسیحی مترجمین نے لفظ "اِلُوہِیم" جو "جمع" اس کا ترجمہ اُردو بائبل میں واحد "خدا" کیا ہے۔ ایسے ہی دیگر زبانوں کے تراجم میں بھی ہے۔ اسی طرز و طریق کے پیش نظر لفظ "مُحَمَّدِیم" گو جمع ہے مگر اس میں عددی جمع ہرگز ہرگز اور یقیناً نہیں۔ گو سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ لفظ ادب و احترام کی بنا پر "جمع" ضرور ارشاد فرمایا ہے مگر لفظ "مُحَمَّدِیم" کا ترجمہ بھی "اِلُوہِیم" کی طرح "واحد" میں یوں ہوگا:۔

"مُحَمَّد"

اور یہ بات دلیل کی محتاج نہیں بلکہ مشہور و معروف اور شہرہ آفاق ہے کہ

حضرت عبداللہ کے نورِ نظر

حضرت آمنہ کے لختِ جگر

حضرت حلیمہ کے رضاعی پسر

ربّ اکبر کے آخری پیغمبر

صاحب قرآن، ہادیٔ دو جہان

سید المرسلین، خاتم النبیّن

رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین

سرورِ کائنات، فخر موجودات

ساقیٔ کوثر، شافع محشر

نبی اُمّی، مکّی مدنی

رسول کریم، رؤف الرحیم

امام الانبیاءؑ، محبوبِ کبریا

صاحب لولاک، رسول پاک

اور

جناب رسالتمآبؐ کا اسم گرامی اور نامی عالی ہے:۔

"مُحَمَّدٌ"

صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم

چونکہ پیغمبر رحمان سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے نغمہ و ترانہ میں اپنے محبوب کا یہی اسم مبارک ادباً جمع ارشاد فرمایا ہے اس لئے سیدنا حضرت "مُحَمَّدٌ" صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم ہی زیرِ نظر مقام کے مصداق ہیں اور ٹھیک آپؐ ہی پر یہ مقام منطبق ہوتا ہے۔

لاکھ چھپایا رازِ محبت نہ چھپ سکا
آنکھوں نے رو کر یار سے اظہار کر دیا

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی "محمدٌ" صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ عبرانی عہد قدیم کی کتاب "غزل الغزلات" ۵ : ۱۶" میں بصورتِ جمع اور یہ جمع عددی نہیں بلکہ ادبی میں آج تک موجود ہے۔ یہ اللہ رب العزت کی قوت و قدرت کا اظہار ہے۔ چونکہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے قرآن کریم اور فرقانِ حکیم میں اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بشارات پہلی کتابوں میں موجود ہیں۔ اس لیے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم عالی "محمدٌ" صلی اللہ علیہ وسلم عبرانی عہد قدیم میں موجود اور رہتی دنیا تک موجود رہے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

نورِ حق شمع الہی کو بجھا سکتا ہے کون؟
جس کا حامی ہو خدا اُس کو مٹا سکتا ہے کون؟

اس صاف ستھری بشارت کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مسیحی علماء اُسی طرح نہیں مانتے جس طرح سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں مندرجہ ذیل بشارت کو یہودی علماء تسلیم نہیں کرتے مثلاً

"قومیں کس لئے طیش میں ہیں اور لوگ کیوں باطل خیال باندھتے ہیں؟
خداوند اور اس کے مسیح کے خلاف زمین کے بادشاہ صف آرائی کر کے
اور حاکم آپس میں مشورہ کر کے کہتے ہیں۔" (زبور ۲: ۱ ، ۲)۔

مسیحی علماء زبور کے مندرجہ بالا مقام کو سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں بشارت مانتے ہیں۔ چنانچہ پادری جے علی بخش صاحب "تفسیر زبور" کے صفحہ ۳۶، ۳۷ پر اس مزمور کے تحت رقم طراز ہیں:۔

"یہ مزمور مسیحی مزمور کہلاتا ہے کیونکہ اس کی تکمیل مسیح بادشاہ اور مسیح کی سلطنت میں ہوتی ہے۔"

زبور کے مندرجہ بالا مقام پر سیدنا حضرت عیلےٰ علیہ السلام کا اسم مبارک حضرت "مسیح"

علیہ السلام صاف طور پر موجود، جس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ زبور کی یہ بشارت صریحاً آپ ﷺ کے حق میں اور آپ ﷺ ہی پر منطبق ہوتی ہے کیونکہ جو اسم عالی بشارت میں موجود ہے وہی آپ ﷺ کا اسم گرامی حضرت "مسیح" علیہ السلام ہے۔ غور فرمائیے کہ یہ بشارت آپ ﷺ کے حق میں کس قدر واضح ہے۔ مگر یہودی علماء اس قدر صراحت کے باوجود اس بشارت کو حضرت "مسیح" علیہ السلام کی بابت تسلیم نہیں کرتے۔ اور اس میں ایسی باطل تاویلات کرتے ہیں جیسے مرزائی مبلغین فرمانِ الٰہی "خاتم النبیّن" اور حدیث نبوی ﷺ "لَا نَبِیَّ بَعْدِی" کے صاف و شفاف الفاظ مبارک کی سوال از آسمان جواب از ریسمان جیسی تاویلات کرکے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی "ختم نبوت" کا انکار اور مرزا قادیانی کو نبی مانتے ہیں۔ بالکل ان دونوں کی طرح مسیحی علماء بھی "غزل الغزلات" کے عبرانی لفظ "مُحَمَّدِیم" کے متعلق نفسانی خیالات کا اظہار اور من مانی تاویلات کرکے اس صاف و شفاف اور اجلی و نکھری ہوئی بشارت کو صاحبِ لولاک اور رسول پاک حضرت "محمد" صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے حق میں تسلیم نہیں کرتے۔

اے انسانی برادری!

ٹھنڈے دل سے اس بشارت پر غور فرمائیے!

نگاہِ عدل سے اس پیشگوئی پر توجہ کیجئے!

اور

کامل عقل سے زیرِ نظر مقام کو بار بار سوچیئے!

؎ اب وقت بھی ہے اور مہلت بھی

ساقیٔ کوثرؐ غیروں کی نظر میں

محسنِ کائنات اور ذات بابرکات صلی اللہ علیہ وسلم کوئی معمولی شخصیت نہیں بلکہ خیر البشرؐ ایسے عظیم القدر اور پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ایسے عظیم الشان ہیں کہ مشہور و معروف، شہرہ آفاق اور دنیا کا کوئی گوشہ آپؐ کے اسم عالی سے خالی نہیں۔ پُر لطف چیز اور بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ آپؐ کے محاسن و فضائل کے غیر مسلم بھی معترف اور آپؐ کے رطب اللسان ہیں۔ چنانچہ ہم سردار سرجیت سنگھ لانبہ کا مختصر سا تعارف کرانے کے بعد اُن کے الفاظ نقل کریں گے۔

سردار جی کے تعارف میں مندرجہ ذیل الفاظ لکھے گئے ہیں:۔

"سردار سرجیت سنگھ لانبہ راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ اور میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ بعد میں بھارت جاکر تعلیم مکمل کی۔ آپ اقبال اکیڈمی کی دعوت پر یہاں آئے۔ لاہور کے قیام میں ڈاکٹر جاوید اقبال سے ملاقات کی اور اقبال میوزیم بھی گئے۔ نئی دہلی میں وزارتِ قانون سے وابستہ ہیں۔"

(روزنامہ مشرق لاہور پیر ۲۸ اپریل ۱۹۸۰ء)۔

اس تعارف کے بعد سردار جی کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:۔

"میں جو کچھ آپ کی نظر پڑتا ہوں وہ بعد میں ہوں۔ پہلے ایک انسان ہوں اور اُس فخر انسانیتؐ کا تہ دل سے احترام کرتا ہوں جو آفتاب ہدایت بن کر فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا۔ اور جس کی شعاعوں سے مشرق و مغرب جگمگا اُٹھے۔ برصغیر ہند بھی اس روشنی سے محروم نہیں رہا۔ اور یہاں بھی دین حق کے داعیوں نے اپنی بساط درویشی آراستہ کی اور وہ پیغام جو ایک نبی امیؐ نے دیا تھا اس کو دھڑکن دھڑکن پہنچایا۔" (اخبار مذکورہ)۔

پادری غلام مسیح صاحب ایڈیٹر نور افشاں لاہور رقمطراز ہیں:۔

"اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت محمدؐ عرب کی عظیم الشان شخصیتؐ تھے آپ نے اپنی زندگی میں وہ کام کرکے دکھایا تھا جسکی مثال ملنا دشوار ہے۔ آزاد اور سرکش عرب کو اپنی زندگی کے اثر اور کام سے اپنی حیات میں ایسا موثر کر دینا کہ وہ ایک حکم کے تابع ہو جائیں اور انہیں دنیا کے فاتح ہونے کے قابل بنا دینا ایسا عظیم الشان کام تھا جسے آپ ہی کر سکتے تھے۔"

(کوائف العرب یا قبل از اسلام عرب ص۱۰)۔

نیز پادری صاحب لکھتے ہیں:۔

حضرت محمدؐ کی زندگی کے ابتدائی زمانہ کا عرب

ملک عرب اور اس کے باشندے خواہ اپنے ملک میں کیسے ہی تھے اور کیسی ہی مکروہات میں مبتلا تھے۔ خواہ خارجی دنیا کی نظروں میں وہ کیسے ہی خیال کئے جاتے تھے مگر اس بات میں شک و شبہ کا مطلق دخل نہیں ہے کہ وہ ملک کنعان کے انبیاء برحق کی نبوتوں اور بشارتوں کا موضوع بنے رہے بائبل مقدس کی کثیر عبارتیں ملک عرب اور اس کے باشندوں کی خوشحالی کی خبروں سے مملو ہیں۔ اُن کی گمراہی اور ضلالت کے دور ہونے کی خبروں سے پُر ہیں۔ (۱) اسرائیل کے واحد خُدا کی طرف پھرنے اور علم توحید الٰہی کے پیچھے خدا کی بشارتیں سنانے کی خبروں سے لبریز ہیں۔ جس کی مثال ہم فصل اوّل میں پیش کر چکے ہیں۔ یہاں پر ہم ناظرین کرام کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت محمدؐ کے زمانہ سے سینکڑوں برس پیشتر سے کلام خدا یہود اور مسیحیوں کے عرب میں آباد ہونے کے ساتھ پورا ہونا شروع ہو گیا تھا تو بھی کلام خدا کی

(۲)

تکمیل عرب کے فرزند اعظم کی وساطت سے ہونے کو باقی تھی۔" (کوائف العرب ص۱۹۶)

جو لوگ اس بات پر بضد ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بشارات بائبل میں نہیں ہیں انہیں نہایت متانت و سنجیدگی اور حلیمی و بردباری سے پادری صاحب کے خط کشیدہ الفاظ نمبر ا پر خوب غور کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ الفاظ اس حقیقت کا ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں حضرات انبیاء بنی اسرائیل نے بشارتیں ارشاد فرمائی تھیں۔ چنانچہ پادری صاحب نے اسی ضمن میں ملک عرب کی فارغ البالی اور خوشحالی اور اہل عرب کی رشد و ہدایت کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ کہ دنیا کی نظر میں

ملک عرب پسماندہ

اور

اہل عرب ناخواندہ

تھے۔ اس پسماندہ ملک عرب کو ترقی و خوشحالی میں بدلنا اور ناخواندہ اہل عرب کو رشد و ہدایت پر لانا رحمتہ للعالمین اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثال فیضان نظر اور لاثانی معجزہ تھا۔ جبکہ یہ لاجواب انقلاب آپ کی برکت اور وسیلہ سے رونما ہوا۔ تو یہ حقیقت خود بخود منظر عام پر آگئی کہ حضرات انبیاء اسرائیل نے آپ کی بابت یقیناً بشارات ارشاد فرمائی ہیں۔

نیز موصوف لکھتے ہیں :-

"زمانہ زیر نظر میں اہل عرب کی گذشتہ شان ہی مفقود نہ تھی۔ بلکہ اس زمانہ میں خارجی اور اندرونی آفتیں وسط عرب کی آبادی کا خون چوس رہی تھیں۔ جن سے خلاصی اور رہائی پانا انسانی عقل و فکر اور قوت و طاقت کی حد سے

باہر ہو چکا تھا۔ اہل عرب کا اپنے بند صندوقوں سے آزاد ہونا اور اپنی آزادی و حریت

کو پھر حاصل کرنا واقعی قدرت کے معجزانہ کام پر منحصر تھا، جس کا کوئی حق پسند انسان ہرگز انکار نہیں کر سکتا ہے۔ چونکہ خدا نے یہ عظیم الشان کام حضرت مکی و مدنیؐ کی معرفت کیا تھا۔ اس وجہ سے ہمارے زمانہ کی ۴۴ کروڑ انسانی آبادی عرب اور اس کے فرزند اعظم کی عزت و حرمت کر رہی ہے۔"

(کوائف العرب ص ۱۸۲)۔

پادری صاحب کے گذشتہ بیان کے خط کشیدہ الفاظ نمبر ۲ اور اس بیان کے خط کشیدہ الفاظ اس حقیقت کی پُر زور شہادت دیتے اور اس صداقت کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر "نبوت ختم"، دینِ اسلام "کامل و مکمل" اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہے موصوف مسیحی اور اپنے مذہب کے جیّد عالم ہونے کے باوجود اس حق گوئی کے لحاظ سے واقعی قابلِ داد ہیں۔

پادری برکت اللہ صاحب ایم، اے رقمطراز ہیں:۔

سیرت محمدی کی تالیف کی ضرورت

"حضرت محمدؐ صاحب دنیا کی نامور ہستیوں میں سے ہیں۔ جس طرح ہندوستان کو مہاتما بدھ کے وجود پر۔ ایران زرتشت اور چین کو کنفوشیس کے وجود پر اور بنی اسرائیل کو حضرت موسےؑ کے وجود پر بجا فخر ہے۔ اسی طرح سرزمین عرب کو حضرت محمدؐ کے وجود پر فخر ہے آپؐ کی ذات سے جو فیوض اہل عرب کو پہنچے وہ تاریخ کے ورقوں پر آب زر سے لکھے ہوئے ہیں آپؐ نے عرب کے مختلف قبیلوں کو جو ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔ ایک جماعت میں منظم کر دیا۔ اور دشتِ عرب میں ایک ایسے مذہب کی بنیاد ڈالی جس نے عرب میں شرک اور کفر کا خاتمہ کر دیا اور اب

دورِ حاضرہ میں مختلف ممالک میں پھیل گیا ہے۔ اس مذہب کے پیروؤں کی تعداد کروڑوں پر مشتمل ہے۔ پس ہر شخص کا فرض ہے کہ اس نامورہ ہستی کے سوانح حیات سے واقف ہو" (محمدؐ عربی ص ۹)۔

پادری سلطان صاحب پال رقمطراز ہیں:۔

"مذہبی امور میں صرف ایک یہی بات اسلام میں نئی ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ یعنی نماز کے بلانے کے لئے یہودیوں کی قرنائے بجانے اور عیسائیوں کے گھنٹے بجانے کے بدلے اذان مقرر کیگئی ہے۔ اس نرالے پن کی نسبت ایک عیسائی مصنّف اس طرح پر لکھتا ہے کہ مختلف اوقاتِ نماز کی اطلاع موذن مسجدوں کی میناروں یا ماذنوں پر کھڑے ہو کر اذان دینے سے کرتے ہیں۔ اُن کا لحن جو ایک بہت سادہ مگر سنجیدہ لہجہ میں بلند ہوتا ہے۔ شہروں کی دور کی دونا پکار میں مسجد کی بلندی سے دلچسپ اور خوش آواز معلوم ہوتا ہے۔ لیکن سنسان رات میں اس کا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر فرنگیوں کی زبان سے بھی پیغمبر صاحب کی تعریف نکل گئی ہے۔ کہ یہودیوں کے معبد کی قرنائے اور کلیسیائے نصاریٰ کے گھنٹوں کی آواز کے مقابلہ میں انسانی آواز کو پسند کیا"

(عربستان میں مسیحیت ص ۲۸۱)۔

پادری صاحب کے خط کشیدہ الفاظ اس بات کی پُر زور شہادت دیتے ہیں کہ

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے مدّاح
بہت سے انگریز بھی ہیں

غیر مسلموں کے ان بیانات سے اس بات کا سُراغ ملتا اور پتہ چلتا ہے کہ اقوامِ عالم میں بہت سے غیر مسلم آپؐ کے محاسن و فضائل بیان کرتے اور آپؐ کے رطب اللسان ہیں مگر اپنی مصلحتوں

اور مجبوریوں کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے۔ بالکل اسی طرح آپؐ کے معاصرین اہل کتاب بھی اس بات کے قائل تھے کہ آپؐ کی بابت بشارات بائبل میں موجود ہیں مگر وہ اپنی مجبوریوں اور مصلحتوں کی وجہ سے ایمان نہ لاسکے۔ اُن کے ایمان نہ لانے سے اُن بشارات کی نفی نہیں ہوتی جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بائبل میں موجود ہیں۔

محمدیم اور مؤلفینِ قاموس الکتاب

عبرانی لفظ "محمدیم" کے ساتھ "مؤلفین قاموس الکتاب لغاتِ بائبل" نے جس حسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا ہے۔ چونکہ ہم نے اُس کی بابت کچھ کہنا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی وہ عزت و عظمت ظاہر کردی جائے جو اسے مسیحی دنیا میں حاصل ہے۔

سیدنا حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے بارہ (۱۲) شاگردوں کو ناپاک روحوں پر اختیار بخشا تھا (متی ۱۰:۱) اس وجہ سے یا اتفاقاً ایسا ہوا ہے کہ "قاموس الکتاب" کو بھی بارہ (۱۲) ذہین و فطین اور جید مسیحی علماء نے وجود بخشا اور تالیف کیا ہے۔ جیساکہ اسی کتاب کے صح سے ظاہر ہوتا ہے۔

یہ کتاب مسیحی دنیا میں "مستند"، "مصدقہ" (ص ا) اور "معتبر" ہے۔ (ص ک) مگر اس کتاب میں "بکا" کی بابت جس طرح من نے چاہا لکھدیا۔ جیساکہ "تیسری بات۔ غلط تراجم کا انکشاف" کے تحت ص ۱۱ تا ۱۶ پر گزرا۔

عبرانی کا ایک لفظ "شیلوخ" ہم نے اس کے متعلق "اسلام اور عیسائیت" کی پہلی بشارت شیلوہ کون ہے؟ کے تحت تفصیل سے کلام کیا اور اس لفظ کا ذکر "قاموس الکتاب" میں بھی "ش" کے تحت یوں موجود ہے:۔

(عبرانی شیلوخ = بھیجنے والا)۔

مگر عہد جدید کی کتاب، انجیل یوحنا میں اس لفظ کا معنٰے یوں تحریر کیا گیا ہے:۔

۱۔ "اُس نے کہا جا شیلوخ (جسکا ترجمہ "بھیجا ہُوا" ہے) کے حوض میں دھو لے"۔

(۹ : ۷)۔

اس کے علاوہ اکیلا عہد جدید جس میں عہد قدیم نہیں۔ اس کے الفاظ تو انگریزی میں ہیں مگر اردو کی طرح پڑھا جاتا ہے۔ یہ نسخہ لندن سنہ ۱۹۰۶ء کا مطبوعہ اور اس میں مذکورہ بالا مقام یوں مرقوم ہے:۔

۲۔ "us se kaha, Ja, Shilokh ke haus men dho le (Jis ka tarjuma Bheja Hua hai)".

(انجیل یوحنا ۹ : ۷)

ان کے علاوہ پادری مسٹر صاحب رقم طراز ہیں:۔

۳۔ "خدا کا بھیجا ہُوا

آج کل علم الٰہیات کی بحث میں لفظ "شیلخ" بہت استعمال ہوتا ہے جس کا ترجمہ رسول یا "بھیجا ہوا" ہے"۔ (تثلیث فی التوحید صفحہ ۵۰، ۵۱ ترجمہ پادری وکلف اے سنگھ صاحب)۔

مندرجہ بالا تینوں مقامات سے یہ صداقت خوب روشن ہوتی ہے کہ ان تینوں کتابوں میں "شیلوخ" کا صحیح معنے "بھیجا ہوا" جو کہ عربی لفظ "رسول" کے مترادف اور "اسم مفعول" ہے۔ مگر مؤلفین "قاموس الکتاب" نے اس کا غلط ترجمہ کر کے اسے "اسم فاعل" بنا ڈالا۔ مرزا قادیانی بھی لغت میں ایسا ہی تصرّف کیا کرتا تھا۔ شاید اس طرح کے نیک کام سرانجام دینے کے باوجود "قاموس الکتاب" کے "مستند"، "مصدّقہ" اور "معتبر" ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان دونوں الفاظ (ایکا، شیلوخ) کے ساتھ جو حسنِ سلوک کیا گیا وہ منظرِ عام پر آ گیا ہے اور تیسرے لفظ کے ساتھ جو بے رُخی کی گئی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

عبرانی لفظ "مُحَمّدِیم" جس کا معنے اُردو بائبل میں "عشق انگیز" کیا گیا ہے۔ مؤلفین

"قاموس الکتاب" نے اس لفظ کو اس کتاب میں جگہ ہی نہیں دی۔ جس کا جی چاہے وہ اس کتاب میں "ع" کے تحت دیکھ اور اپنی تسلی کر سکتا ہے۔ اگر دو یا تین اشخاص اس کتاب کو تالیف کرنے والے ہوتے تو یہ بات قرین قیاس تھی کہ ان پر نسیان غالب آگیا مگر اس کتاب کے مؤلفین کی جماعت بارہ (۱۲) ذہین و فطین اور جید مسیحی علماء پر مشتمل تھی۔ ان بارہ افراد کا فراموشی کا شکار ہو جانا۔ عقل و فہم تسلیم نہیں کرتے۔ ایسے میں یوں نظر آتا اور دکھائی دیتا ہے کہ سہواً ایسا نہیں ہوا بلکہ عمداً ایسا کیا گیا ہے اور اس لفظ کو اس طرح نظر انداز کیا گیا جیسے یہ لفظ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کا ارشاد فرمودہ اور عہد قدیم کا لفظ ہی نہیں۔ حالانکہ یہ لفظ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے "محبوب" کے صحیح مصداق کو سمجھنے کے لئے مرکزی حیثیت رکھتا اور کلید کا کام دیتا ہے۔

جبکہ کتاب مذکورہ کے صفحہ اول کی پیشانی پر یہ الفاظ

"تشریح تیری باتوں کی نور بخشتی ہے۔ عقل مند بناتی ہے سادہ دلوں کو۔"

(زبور ۱۱۹: ۱۳۰)

تحریر کئے گئے ہیں تو کیا ان الفاظ کے پیش نظر اس لفظ کی تشریح نور نہیں بخشتی اور سادہ دلوں کو عقل مند نہیں بناتی تھی؟ اس لفظ کے ساتھ اس بے مروتی اور بے رخی کے پیش نظر عقل، عدل سے سوال کرتی ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ تو عدل اس سوال کا یہ جواب دیتا ہے کہ جس عبرانی لفظ کا ترجمہ اردو میں "عشق انگیز" کیا گیا ہے اُس عبرانی لفظ (**مُحَمَّدِ یِّم**) سے

دماغ میں کچھ آتا

اور

دل میں کچھ ہوتا

تھا۔ اس حکمت و مصلحت کے پیش نظر معتبر، مصدقہ اور مستند "قاموس الکتاب"

میں اسے جگہ ہی نہیں دی گئی۔

؎ ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟

عبرانی لفظ "مُحمدّیم" اور پادری فانڈر صاحب

عبرانی لفظ "مُحَمَّدِیم" کی بابت پادری فانڈر صاحب رقم طراز ہیں:۔

"بعض مسلمان غزل الغزلات سلیمان کے پانچویں باب کی سولھویں آیت کو محض اس بنا پر حضرت محمدؐ سے منسوب کرتے ہیں کہ عبرانی لفظ مُحَمَّدِیم بمعنے راحتھا جو کہ لفظ محمد کی طرح حمد سے مشتق ہے اس میں پایا جاتا ہے۔ لیکن عبرانی زبان میں یہ لفظ اسم معرفہ نہیں بلکہ نکرہ ہے جیسا کہ اس آیت میں صیغہءِ جمع کے استعمال سے ظاہر ہے۔" (میزان الحق حصہ سوم باب۲)۔

ناظرینِ کرام! ہم نے صـ۳۳ تا ۴۶ پر اسی باب کی دسویں اور گیارہویں آیات کی بابت کلام کر کے انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ثابت کیا ہے مگر پادری صاحب کا ان دونوں آیات کے متعلق کچھ لکھنا تو درکنار بلکہ موصوف نے ان دونوں آیات کو نقل تک نہیں کیا۔ انہیں یوں نظر انداز اور ترک کر دیا جیسے یہ دونوں آیات پانچویں باب میں موجود ہی نہیں۔ حالانکہ ان دونوں آیات کا ربط و تعلق سولھویں آیت سے ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں آیات (۱۰، ۱۱، ۱۶) ایک ہی وجود مسعود کے حق میں بطور بشارت و علامت بیان کی گئی ہیں۔ بہر حال پادری فانڈر صاحب کے مذکورہ بالا الفاظ سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ موصوف پانچ باتوں کے معترف ہیں:۔

ؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حسینی)

پانچ باتیں

اوّل یہ کہ یہ مقام بشارت نہیں جیسا کہ موصوف کے خط کشیدہ الفاظ سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ موصوف کا خط کشیدہ الفاظ کی بنا پر بشارت کا انکار کرنا محض ضد ہے کیونکہ زیرِ نظر بشارت کے لفظ "**مُحَمَّدِیْم**" کے سیاق و سباق سے یہ حقیقت خوب چمکتی اور دمکتی ہے کہ یہ مقام ایک خاص وجود مبارک کے لئے بشارت ہے۔ چنانچہ اس عبرانی لفظ سے پہلے یہ الفاظ ہیں:۔

" اُس کا منہ از بس شیرین ہے۔"

اسی مفہوم کے الفاظ زبور ۴۵ : ۲ میں موجود اور وہ یہ ہیں:۔

" تیرے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے۔"

نتیجہ یہ کہ (زبور ۴۵ : ۲ ، غزل الغزلات ۵ : ۱۶) یہ دونوں مقام ایک ہی مفہوم کے حامل اور ایک ہی مطلب کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور زبور ۴۵ : ۲ کو پادری صاحب نے بشارت تسلیم کیا اور اسے "میزان الحق" حصہ سوم باب ۲ کی پانچویں بشارت میں سیّدنا حضرت عیسٰے علیہ السلام کو اس بشارت کا مصداق قرار دیا ہے۔ ایسے میں اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ جب ان دونوں مقامات کے الفاظ کے مفہوم بالکل مترادف ہیں تو ان سے یہ صداقت برملا ظاہر ہوتی ہے کہ جس طرح زبور ۴۵ : ۲ کے الفاظ بطور بشارت و علامت اور خاص مقدس وجود کے حق میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور پادری صاحب اس بات کے معترف ہیں۔ تو بالکل اسی طرح "غزل الغزلات" کے زیر نظر الفاظ بھی بطور بشارت و علامت ایک خاص متبرک شخصیت کی بابت استعمال ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس مقام کو بشارت تسلیم نہ کرنا علم و عقل کو زیب نہیں دیتا۔

اس بشارت کے خط کشیدہ الفاظ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس بشارت کے مصداق میں دو (۲) باتیں ضرور ہونگی:۔

الف:۔ وہ جسمانی طور پر نسل آدمؑ سے تعلق رکھتا ہوگا۔

ب:۔ وہ روحانی طور پر عظیم مرتبہ کا حامل ہوگا۔

الحاصل زیر نظر مقام ایک متبرک وجود کی تشریف آوری کی بشارت دیتا ہے۔

دوم یہ کہ اصل عبرانی لفظ "**مُحَمَّدِیم**" ہی ہے۔

سوم یہ کہ عبرانی لفظ "**مُحَمَّدِیم**" لفظ "حمد" سے مشتق ہے۔ ہم بھی ان دونوں باتوں کو صحیح مانتے ہیں۔

چہارم یہ کہ عبرانی میں لفظ "**مُحَمَّدِیم**" بمعنے "راحتہا" جمع استعمال کیا گیا ہے۔ موصوف نے عبرانی لفظ "**مُحَمَّدِیم**" کو بمعنے "راحتہا" یعنی "جمع" ظاہر کیا ہے۔ مگر فرقہ رومن کیتھولک اور فرقہ پروٹسٹنٹ کی اردو بائبلوں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی کیونکہ ان دونوں بائبلوں میں اس لفظ کا یہ معنیٰ کیا گیا ہے:۔

"عشق انگیز ہے"

اس ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فانڈر صاحب کا ترجمہ بالکل غلط ہے کیونکہ ان میں نہ "راحتہا" کا ذکر اور نہ "جمع" کا اظہار ہے۔ گو ہمارے نزدیک یہ ترجمہ بھی غلط ہے مگر اس سے یہ بات تو صاف صاف معلوم ہوتی ہے کہ عبرانی لفظ "**مُحَمَّدِیم**" "جمع" اور اس کا ترجمہ "واحد" کیا گیا ہے۔

پنجم یہ کہ عبرانی میں "**مُحَمَّدِیم**" اسم معرفہ نہیں بلکہ نکرہ ہے۔

پادری فانڈر صاحب اس عبرانی لفظ کو جمع کی صورت میں دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ اسم نکرہ ہے اسم معرفہ نہیں۔ مگر ان کی یہ بات صداقت پر مبنی نہیں کیونکہ دونوں فرقوں کی بائبلوں میں مسیحی مترجمین نے اس کا ترجمہ "واحد" میں کیا ہے۔ جو اس امر کی بیّن دلیل ہے

کہ ان مترجمین کے نزدیک یہ عبرانی لفظ "واحد" اور "اسم معرفہ" ہے۔ یہ مقامِ حیرت ہے کہ موصوف اپنے جماعتی اور صحیح ترجمہ کو مسترد کرتے، اپنے ذاتی اور غلط ترجمہ کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

نیز پادری صاحب اس بات پر توجہ نہیں دیتے کہ اس عبرانی لفظ میں عددی جمع نہیں بلکہ صرف ادب واحترام کی وجہ سے اسے جمع کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ اسی معقول وجہ سے مترجمینِ بائبل نے اس کا ترجمہ "واحد" اور اسے "اسم معرفہ" ظاہر کیا ہے۔

جب کہ بائبل کے دونوں اردو نسخہ جات سے **"مُحَمَّدِیم"** کا ترجمہ "واحد" ظاہر و ثابت ہو گیا تو اس سے فانڈر صاحب کی یہ سب باتیں (بمعنے راحتھا، جمع اور نکرہ وغیرہ) غلط ثابت ہو گئیں۔ نتیجہ یہ کہ لفظ **"مُحَمَّدِیم"** میں حروف "ی" اور "م" عددی جمع نہیں بلکہ ادب واحترام کے پیشِ نظر استعمال کئے گئے ہیں۔ تو اس حقیقت کے پیشِ نظر یہ صداقت خوب چمک اور دمک اٹھی کہ **"مُحَمَّدِیم"** میں لفظ **"مُحَمَّدٌ"** "واحد" اور "اسم معرفہ" ہے۔

بہر حال یہ بات تو نہایت ستھری اور نکھری ہوئی ہے کہ "غزل الغزلات" ۵: ۱۰، ۱۱، ۱۶ میں ایک خاص وجود مبارک کے لئے بشارت موجود ہے۔ اس سے بھی یہ حقیقت خود بخود تاباں و درخشاں ہو جاتی ہے کہ اس جگہ لفظ **"مُحَمَّدٌ"** خاص اور "اسم معرفہ" ہے اور "ی"، "م" کو عزت وعظمت ظاہر کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔

پادری صاحب کا حال عجیب ہے کہ صرف لفظ **"مُحَمَّدِیم"** پر اپنی علمی قوت وطاقت صرف کر رہے ہیں۔ اس کے سیاق وسباق کی طرف منہ نہیں کرتے بلکہ خوف کھاتے ہیں۔ حالانکہ اگر صاف نیت سے اس لفظ کے سیاق وسباق پر سرسری نظر ڈالی جائے تو مطلع صاف اور بے غبار نظر آتا ہے کیونکہ جن علامات وصفات کا تعلق **"مُحَمَّدِیم"** سے ہے وہ

جمع نہیں بلکہ تمام واحد بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً۔

"میرا محبوب سرخ و سفید ہے۔

وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔

اُس کا سر خالص سونا ہے۔

اُس کی زلفیں اس کا منہ از بس شیرین ہے۔

ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے۔

یہ ہے میرا محبوب، یہ ہے میرا پیارا

زیر بحث بشارت کے خط کشیدہ الفاظ لفظ "مُحَمَّدِیم" سے تعلق رکھتے، اسی کے حق میں استعمال ہوئے اور صف اسی کی بابت بولے گئے ہیں۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر ذہن میں ایک سوال اُبھرتا اور وہ یہ ہے کہ جب یہ تمام الفاظ واحد ہیں تو صرف عبرانی لفظ "مُحَمَّدِیم" جمع کیوں ہے؟ تو اس سوال کا صحیح جواب یہ ہے۔ کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے "اپنے محبوب" کی عزت و عظمت اور تکریم و تعظیم کے اظہار کیلئے یہ لفظ جمع میں ارشاد فرمایا ہے۔ اس بات کی تائید و تصدیق بشارت کے سیاق و سباق سے بھی ہوتی ہے۔ باقی رہا اس بشارت کے مصداق کا سوال تو ہم اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ صرف ہم اہل اسلام ہی اس بات کے قائل نہیں بلکہ اقوام عالم اور دنیا بھر میں یہ بات مشہور و معروف اور شہرہ آفاق ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی اور نام عالی حضرت "مُحَمَّد" صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ لہذا آپ ہی اس بشارت کے مصداق ہیں۔ اس روشن اور منوّر صداقت کے سامنے پادری صاحب کی باتیں کم قدر، بے وزن اور مس پاپی عذر ہزار کی مصداق ہیں۔

اعتراضات کے جوابات

پادری صاحب لکھتے ہیں:۔

"یہی لفظ صیغۂ جمع میں ہوسیع ۹: ۱۶،۱۷ و ا سلاطین ۲۰: ۶ و نوحہ ۱: ۱۰ و ۱۱ و ۲: ۴ و دیوایل ۴: ۵ و یسعیاہ ۶۴: ۱۰ و ۲ تواریخ ۳۶: ۱۹ و حزقی ایل ۲۴: ۱۶ و ۲۱ و ۲۵ میں استعمال کیا گیا ہے۔ حزقی ایل ۲۴: ۱۶ میں "تیری آنکھ کی پیاری" کا مفہوم ایک عورت ہے یعنی اس سے حزقی ایل کی زوجہ مراد ہے (دیکھو آیت ۲۵ ویں)۔" (میزان الحق حصہ سوم باب ۲)۔

ان تمام حوالہ جات کی کل تعداد بارہ (۱۲) ہے۔ ہم ان کی بابت ببانگ دہل کہتے ہیں کہ جس کا جی چاہے عبرانی بائبل سے ان تمام حوالہ جات کو نکال کر دیکھ لے کہ ان میں سے کسی ایک حوالہ میں بھی لفظ " مُحَمَّدِیْم " موجود نہیں۔ افسوس! پادری فانڈر صاحب نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پرخاش کی وجہ سے اپنی الہامی کتاب پر بارہ (۱۲) مرتبہ جھوٹ فرمانے سے بھی پرہیز اور گریز نہیں کیا۔ علاوہ ازیں "کلید الکتاب" میں "ع" کے تحت صفحہ ۱۰۴۴ پر لفظ "عشق انگیز" کو بائبل کے صرف دو (۲) مقامات میں ظاہر کیا گیا ہے۔

اوّل :- غزل الغزلات ۵: ۱۶

دوم :- حزقی ایل ۸: ۱۶

اب جبکہ مترجمین بائبل نے عبرانی لفظ " مُحَمَّدِیْم " کا ترجمہ اردو میں ان دونوں مقامات پر "عشق انگیز" کیا ہے تو اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مذکورہ بالا لفظ دونوں مقامات میں ایک ہی ہوگا۔ اور "غزل الغزلات" (۵: ۱۶) سے ظاہر ہے کہ وہ لفظ " مُحَمَّدِیْم " ہے اور "حزقی ایل" (۸: ۱۶) میں بھی یہی لفظ ضرور موجود ہونا چاہیئے مگر اس مقام پر یہ لفظ موجود نہیں۔ لفظ " مُحَمَّدِیْم " کا پہلا حرف "م" یعنی یہ لفظ حرف "م" سے شروع ہوتا ہے۔ اور "حزقی ایل" باب سولہ کی آٹھویں آیت میں کل عبرانی الفاظ اکیس (۲۱) ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ ان میں سے کسی

لفظ کے شروع میں "م" نہیں۔ لہذا اس میں اس لفظ کے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ الغرض "کلید الکتاب" سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ لفظ "محمدیم" صرف اور فقط "غزل الغزلات" (۵: ۱۶) ہی میں پایا جاتا اور بائبل کی کسی دوسری کتاب میں نہیں۔ اس بات سے یہ نتیجہ نکلا کہ "کلید الکتاب" کے مصنفین (مسیحی علماء) نے بھی پادری فانڈر صاحب کے اُن بارہ (۱۲) حوالہ جات میں لفظ "مُحَمَّدِیم" ہونے کی تردید اور ہمارے قول یعنی ان بارہ (۱۲) مقامات پر لفظ "مُحَمَّدِیم" مفقود ہونے کی تصدیق کر دی ہے۔

پادری فانڈر صاحب رقم طراز ہیں:-

"اگر غزل الغزلات میں اس لفظ کو حضرت محمدؐ پر چسپاں کیا جاتا ہے تو اُن دوسرے مقامات پر بھی انہیں پر چسپاں کرنا مناسب ہوگا۔" (میزان الحق حصہ سوم باب ۲)۔

موصوف نے جن بارہ (۱۲) حوالہ جات کو اپنے دلائل میں پیش کیا ہے۔ جبکہ عبرانی بائبل سے یہ بات خوب روشن ہے کہ لفظ "مُحَمَّدِیم" ان مقامات پر سرے سے موجود ہی نہیں تو اسے چسپاں کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا یہ اعتراض قابلِ سماعت نہیں۔ پادری صاحب لکھتے ہیں:-

"عربی زبان میں حمد سے بہت سے الفاظ مشتق ہیں۔ لیکن محض اس بنا پر اُن سب سے حضرت محمدؐ مراد نہیں ہیں۔ کوئی جاہل مسلمان یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ حضرت محمدؐ کا اسم مبارک سورۃ فاتحہ میں موجود ہے کیونکہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں لفظ حمد پایا جاتا ہے اور اسی طرح سے شاید کوئی ہندو یہ کہنے کی جرأت کرے کہ رام یا اس کے کسی اور معبود کا نام قرآن میں موجود ہے۔ کیونکہ سورۃ الروم میں یوں مرقوم ہے غُلِبَتِ الرُّوْمُ اور عربی لغت کی

کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ روم، رام سے مشتق ہے۔ اس قسم کی دلائل کو پیش کرنا ہرگز ہرگز اصحابِ علم و فہم کی شایانِ شان نہیں ہے۔" (میزان الحق حصہ سوم باب ۲)۔

پادری صاحب کے خط کشیدہ الفاظ اس امر کی بیّن دلیل اور واضح ثبوت ہیں کہ موصوف کے نزدیک ہمارے دعویٰ کی بنا یہ ہے کہ عبرانی لفظ "مُحَمَّدِیْم" لفظ "حمد" سے مشتق اور عربی لفظ "محمد" بھی لفظ "حمد" سے مشتق ہے۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا اسم پاک حضرت "محمدؐ" صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس لئے آپؐ اس بشارت کے مصداق ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دعوٰی کی بنا یہ نہیں۔ موصوف ہمارے دعوٰی کی بنا سے یا تو سرے سے بے علم ہیں یا علم رکھنے کے باوجود بشارت اور اُس کے مصداق پر اس لئے پردہ ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی صداقت اس عبرانی لفظ سے ثابت نہ ہو سکے۔

موصوف کو یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ہمارے دعوٰی کی بنا اُن کے خط کشیدہ الفاظ ہرگز ہرگز نہیں بلکہ ہمارے دعوٰی کی بنا اور بنیاد یہ ہے کہ بشارت کی صفات، علامات اور لفظ "مُحَمَّدِیْم" جو ادب و احترام کی وجہ سے جمع بولا گیا ہے۔ در حقیقت یہ لفظ واحد (محمدؐ) اور "اسم معرفہ" ہے اسی معقول وجہ سے بائبل کے اردو نسخہ جات میں اس کا ترجمہ "واحد" کیا گیا ہے۔ چونکہ بشارت کی یہ تمام صفات و علامات نبی پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم پر خوب صادق آتی اور اچھی طرح سے آپؐ پر منطبق ہوتی ہیں اس لئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم ہی اس بشارت کے مصداق ہیں اور یہی باتیں ہمارے دعوٰی کی بنیاد ہیں۔ کہاں بشارت اور اس کے مصداق کی بات اور کہاں عربی و عبرانی الفاظ کے مشتق ہونے کی بحث؟ کہاں رام رام اور کہاں ٹیں ٹیں؟ پادری صاحب

ان باتوں میں فرق نہیں کرتے حالانکہ ان باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان باتوں میں فرق نہ کرنا ہرگز ہرگز اصحابِ علم و فہم کی شایانِ شان نہیں ہے۔

ناظرینِ کرام! گو پادری صاحب کا ترکش تیروں سے خالی اور موصوف کے اعتراضات ختم ہو چکے ہیں مگر ذوق یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنے دعویٰ کی صداقت پر مزید ایسے قوی اور ٹھوس دلائل تحریر کریں جن سے آپ کو دودھ کا دودھ پانی کا پانی نظر آئے چنانچہ ملاحظہ فرمائیے:-

لفظ "محمدیم" کے ترجمہ کی ضرورت نہیں

عبرانی بائبل سے زیرِ بحث مقام کا اردو بائبل میں یہ ترجمہ کیا گیا ہے:-

"ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے۔
اے یروشلیم کی بیٹیو!
یہ ہے میرا محبوب۔ یہ ہے میرا پیارا۔"

حضرت مولانا قاضی محمد سلیمانؒ نے اس ترجمہ کو غلط قرار دیا اور عبرانی کے الفاظ اردو رسم الخط میں نقل کر کے ان کا صحیح ترجمہ یہ لکھا ہے:-

"وہ تو ٹھیک محمدؐ ہے۔
میرا خلیل میرا حبیب یہی ہے۔
اے دخترانِ یروشلم۔"

(رحمتہ للعالمین جلد اوّل حاشیہ ص ۱۵۰)۔

مگر مسیحی علماء اس صحیح ترجمہ کو تسلیم نہیں کرتے حالانکہ ایسا کرنا زبردست علمی غلطی ہے کیونکہ اس جگہ لفظ "مُحَمَّدِیم" بطور بشارت، خاص اور "اسم معرفہ" بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے اس لفظ کے ترجمہ کی ضرورت نہیں۔ پادری فانڈر صاحب اس

لفظ کا ترجمہ "جمع" کی صورت میں "راحتھا" کرتے اور دیگر مسیحی علماء یعنی مترجمین بائبل اردو میں اس کا ترجمہ "واحد" کی صورت میں "عشق انگیز" کرتے ہیں۔ یہ مقام نہایت ہی قابلِ غور ہے کہ مسیحی علماء کا اس لفظ کے ترجمہ پر اندرونِ خانہ اتفاق نظر نہیں آتا بالفاظ دیگر پادری فانڈر صاحب مترجمین بائبل کے ترجمہ کو جھٹلاتے ہیں اور مترجمین بائبل موصوف کے ترجمہ کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک یہ دونوں ہی سچے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس لفظ کا ترجمہ کرنا ستم (۱) اور ستم پہ ستم یہ کہ اس کا غلط ترجمہ کرنا (۲)۔ یہ دونوں باتیں ناحق کے مترادف ہیں۔ پس صحیح ترجمہ یہ ہے۔

"وہ تو ٹھیک محمدؐ ہے۔"

اس صحیح ترجمہ کے پیشِ نظر اس بشارت کے مصداق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم ہی ہیں۔

بشارت کے مصداق پر ایک عجیب دلیل

"یہ ہے میرا محبوب۔ یہ ہے میرا پیارا۔"

اردو بائبل میں یہ ترجمہ موجود ہے مگر دراصل یہ ترجمہ یوں زیب دیتا ہے:۔

"یہ میرا محبوب ہے **اور** یہ میرا پیارا ہے۔"

اردو بائبل کے زیرِ نظر مقام پر گو لفظ "اور" مفقود ہے مگر مندرجہ ذیل بائبل کے نسخہ جات میں موجود ہے:۔

نسخہ عربی ۱۹۵۶ء = "وَ"۔

نسخہ فارسی ۱۹۵۹ء = "و"۔

نسخہ انگریزی R.S.V ۱۹۵۲ء = "and" (اینڈ)

نسخہ عبرانی ۱۹۸۵ء = "ו" (و)۔

عبرانی نسخہ میں دو مرتبہ הז (زہ) کا لفظ موجود ہے۔ اور دوسرے عبرانی لفظ "زہ" سے پہلے حرف "ו" (و) موجود ہے۔ پس ہم نے ترجمہ میں جو لفظ "اور" تحریر کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

بشارت کے مندرجہ بالا الفاظ میں "یہ" کو دو (۲) مرتبہ لکھا گیا ہے اور جو لوگ اردو علم و ادب سے ذوق رکھتے ہیں وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ "یہ" اسم اشارہ، اور اسے قریبی اشارہ کے لئے لایا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ الفاظ "محبوب" اور "پیارا" واحد ہیں۔ پس اس حقیقت کے پیش نظر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "یہ" کو کس قریبی اسم کی طرف بطور اشارہ استعمال کیا گیا ہے تو علم و عقل اور انصاف و عدل اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ لفظ "مُحَمَّدِیْم" جس کا واحد "مُحَمَّد" ہے۔ پس اس اسم اشارہ سے بھی یہی صداقت سامنے آتی اور یہی حقیقت دکھائی دیتی ہے کہ زیر بحث بشارت کا اسم پاک چونکہ حضرت مُحَمَّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر خوب صادق آتا ہے اس لئے اس بشارت کے مصداق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی ہیں۔

اُردو بائبل کے مترجمین کی ترجمہ میں سیاست

بائبل کے مترجمین نے زیر نظر مقام کا ترجمہ کرتے وقت اردو ترجمہ میں یہ سیاست کی کہ بشارت کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا مثلاً

"اُس کا منہ ازبس شیرین ہے۔ ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے۔

(۲) (۱)

اے یروشلیم کی بیٹیو!

یہ ہے میرا محبوب ۔ یہ ہے میرا پیارا"

خط کشیدہ الفاظ نمبر ۱ میں " اے " حرف ندا یعنی خطاب اور نمبر ۲ میں مخاطبین کا ذکر ہے ۔ اور اس جگہ یہ الفاظ درمیان میں لکھے گئے ہیں مگر بائبل کے دیگر زبانوں کے نسخہ جات میں یہ الفاظ پوری بشارت بیان کرنے کے بعد بالکل آخر میں استعمال کئے گئے ہیں چنانچہ

۱ ۔ عربی بائبل

۲ ۔ فارسی بائبل

۳ ۔ عبرانی بائبل

۴ ۔ انگریزی بائبل RSV ۔

۵ ۔ انگریزی بائبل گڈ نیوز بائبل ۱۹۸۲ء

بائبل کے مندرجہ بالا پانچوں نسخوں میں بشارت کے بالکل آخر میں زیر نظر الفاظ پائے جاتے ہیں ۔ مگر اردو بائبل کے مترجمین نے یہ سیاسی چال چلی کہ انہیں بشارت کے وسط میں تحریر کر کے بشارت کو دو حصوں میں اس لئے تقسیم کیا تاکہ " یہ " کا قریبی اشارہ لفظ " محمدیم " کے غلط ترجمہ " عشق انگیز " کی طرف ثابت نہ ہو سکے اور اس لفظ میں دوری اور بعد پیدا ہو جائے مگر ہم نے اس سیاسی حربہ کی قلعی کھول دی ہے ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت اقدس میں ایک سوال

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی بشارت کے مصداق کی بابت مندرجہ ذیل علامات و صفات بیان فرمائی ہیں ۔

"میرا محبوب سرخ و سفید ہے۔ (آیت ۱۰)

وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔

اُس کا سر خالص سونا ہے۔ (آیت ۱۱)

اُس کی زُلفیں پیچ در پیچ اور کوّے سی کالی ہیں۔

اُس کا منہ از بس شیریں ہے۔ ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے۔" (آیت ۱۶)

اے یروشلیم کی بیٹیو!

یہ ہے میرا محبوب۔ یہ ہے میرا پیارا۔"

اس لئے ہم سیّدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت اقدس میں یہ سوال نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ اے نبی اللہ علیہ السلام! آپ نے جس متبرک شخصیت اور جس مقدس ہستی کی یہ علامات وصفات ارشاد فرمائی ہیں۔ اُسے اپنا محبوب اور اپنا پیارا قرار دیا۔ تو آپ کے اُس محبوب اور اُس عظیم المرتبت ہستی کا اسم مبارک کیا ہے؟ تو پیغمبرِ رحمان حضرت سلیمان علیہ السلام اس سوال کا یہ جواب ارشاد فرماتے ہیں:۔

"کہ میرے محبوب کا اسم گرامی عبرانی میں

"مُحَمَّدِیْم"

اور میرے پیارے کا اسم عالی عربی میں

"مُحَمَّدْ" صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔"

پس سیّدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس جواب مبارک کے پیشِ نظر بھی اس بشارت کے مصداق سیّدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی ہیں۔

ایک عجیب و غریب نکتہ

سیّدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے جواب مبارک کی طرح یہ نکتہ بھی عجیب و غریب اور

پُرلطف ہے۔ سماعت فرمائیے اور لذّت اٹھائیے!
سیّدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی بشارت مبارک میں یہ عجیب و غریب نکتہ بھی پایا جاتا ہے کہ آپؑ نے لفظ "مُحَمَّدِیم" (عشق انگیز) سے پہلے غائب کے اسم اشارے استعمال فرمائے ہیں مثلاً

"وہ" ۔ (آیت ۱۰)۔

"اُس" ۔ (آیت ۱۱)۔

"اُس" ۔ (آیت ۱۱)۔

"اُس" ۔ (آیت ۱۶)۔

"وہ" ۔ (آیت ۱۶)۔

اور "مُحَمَّدِیم" (عشق انگیز) کے بعد حاضر کا اسم اشارہ استعمال فرمایا ہے مثلاً

"یہ" ۔ (آیت ۱۶)۔

"یہ" ۔ (آیت ۱۶)۔

اردو علم و ادب میں "وہ" اور "اُس" بعید یعنی غائب کے لئے اور "یہ" قریب یعنی حاضر کے لئے "اسم اشارہ" ہیں۔
آپؑ کے اس اچھوتے اور نرالے انداز بیان اور حکمت بھرے فرمان مبارک سے علم و عقل یہ سوال کرنے پر مجبور ہیں کہ ایسا کیوں ہے؟ تو سیّدنا حضرت سلیمان علیہ السلام اس سوال کا یہ جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ

"جب میں نے "اپنے محبوب" کی علامات و صفات بیان کیں تو اُن کو غائب میں بیان کیا اور جب ان صفات و علامات کے مصداق کا اسم مبارک "مُحَمَّد ﷺ" بیان کیا تو "میرے محبوب" کا مصداق "مُحَمَّد ﷺ" اظہر من الشمس ہو گیا تو میں نے اس وجہ سے اس کے لئے اسم قریب یعنی حاضر کا اظہار

فرمایا تاکہ عقلِ سلیم پر "میرے محبوب" کا مصداق مزید آشکارا ہو جائے۔ کیونکہ صفات و علامات سے میری بشارت کے صحیح مصداق کو سمجھنے میں غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی مگر نام کے اظہار سے غلط فہمی کا ذرہ بھر احتمال باقی نہیں رہتا۔ اس لئے میں نے یہ نرالا اندازِ بیان اختیار کیا۔"

اس جواب سے نتیجہ یہ نکلا کہ

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کا "محبوب" جو سرخ و سفید ہے۔"

ہاں وہ ٹھیک "محمد ﷺ" ہے۔

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کا "محبوب" جو دس ہزار میں ممتاز ہے۔

ہاں وہ ٹھیک "محمد ﷺ" ہے۔

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کا "محبوب" جس کا سر خالص سونا ہے۔

ہاں وہ ٹھیک "محمد ﷺ" ہے۔

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کا "محبوب" جسکی "زلفیں پیچ در پیچ اور کوے سی کالی ہیں"۔

ہاں وہ ٹھیک "محمد ﷺ" ہے۔

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کا "محبوب" جس "کا منہ ازبس شیریں ہے"۔

ہاں وہ ٹھیک "محمد ﷺ" ہے"۔

یہ ("محمد ﷺ") میرا "محبوب" ہے۔ اور یہ ("محمد ﷺ") میرا "پیارا" ہے"۔

"اے یروشلیم کی بیٹیو!"

دیگر طرز سے

یہ بات بالکل صاف اور ستھری ہے کہ اردو بائبل میں جس عبرانی لفظ "محمدیم" جو جمع میں ہے کا ترجمہ واحد میں "عشق انگیز" کیا گیا ہے۔ اس ترجمہ سے یہ بات خوب

ظاہر ہوتی ہے کہ مسیحی علماء کے نزدیک عبرانی لفظ "محمدیم" اور اس کا اردو ترجمہ "عشق انگیز" یہ دونوں الفاظ بالکل مترادف ہیں تو اس لحاظ سے اگر "عشق انگیز" کی جگہ اردو میں لفظ "محمدؐ" تحریر کر دیا جائے تو اس فعل میں کسی قسم کی کوئی غلطی پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ مسیحی علماء کے نزدیک یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں تو اس احسن سلیقہ اور عمدہ طریقہ سے بھی سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کا "محبوب" بالکل واضح طور پر نظر آتا اور صاف صاف دکھائی دیتا ہے مثلاً

ہاں وہ ٹھیک محمدؐ ہے۔

صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم

حقیقت تو بالکل واضح اور روشن ہے مگر

؎ کیسی گلی رقیب کی کیا طعنِ اقربا
جب تیرا ہی دل نہ چلے ہے تو باتیں ہزار ہیں

اِلُوہیم اور مُحمّدِیم

لفظ "مُحمّدِیم" کی بابت ہمارا یہ نظریہ ہے کہ یہ لفظ زیرِ نظر مقام میں ادب و احترام کے باعث "جمع" اور "جمع" کی وجہ سے یہ لفظ عبرانی ہے۔ مگر اس کا ترجمہ صیغہ "واحد" میں کیا جائے گا۔ جیسا کہ بائبل کے متفرق نسخہ جات میں کیا گیا ہے۔ چونکہ زیرِ بحث مقام میں عربی لفظ "مُحمّدؐ" بطور بشارت، خاص اور "اسم معرفہ" بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے اس لفظ کا ترجمہ نہیں کیا جائے گا۔ اب ہم ان تمام باتوں کو عبرانی لفظ "اِلُوہیم" کی بابت مسیحی علماء کے بیانات سے بھی ثابت و ظاہر کرتے ہیں:۔

عبرانی لفظ "اِلُوہ" واحد اور اس کی جمع "اِلُوہیم" آتی ہے۔ یہ لفظ صیغہ "واحد" میں

انجیل مرقس کے مندرجہ ذیل مقام میں بھی پایا جاتا ہے:۔

" الوہی الوہی لما شبقتنی؟ جس کا ترجمہ ہے اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟" (۱۵ : ۳۴)۔

نیز عبرانی لفظ " اِلُوہیم " عبرانی بائبل کی کتاب " بریشیت " (پیدائش) کے پہلے باب کی پہلی آیت کا تیسرا لفظ ہے۔ یہ عبرانی لفظ " اِلُوہیم " جو صیغہ " جمع " میں ہے۔ اس کا ترجمہ بائبل کے مختلف زبانوں کے نسخوں میں یوں مرقوم ہے:۔

۱۔ اردو بائبل سنہ ۱۹۸۷ء میں ۔ " خدا "

۲۔ فارسی بائبل سنہ ۱۹۵۹ء میں ۔ " خدا "

۳۔ عربی بائبل سنہ ۱۹۵۶ء میں ۔ " اللہ "

۴۔ انگریزی بائبل آر۔ ایس۔ وی سنہ ۱۹۸۴ء میں " God " (گوڈ)

۵۔ انگریزی بائبل گڈ نیوز سنہ ۱۹۸۲ء میں " God " (")

انگریزی کے دونوں نسخوں میں " گوڈ " کی " جی " بڑی ہے جو اس بات کا ثبوت مہیا کرتی ہے کہ یہ " اسم معرفہ " ہے۔ کیونکہ انگریزی زبان میں یہ قاعدہ ہے کہ " اسم معرفہ " کا پہلا حرف ہمیشہ بڑا لکھا جاتا ہے۔

بائبل کے مندرجہ بالا نسخہ جات سے بھی یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ عبرانی لفظ " اِلُوہیم " جو کہ صیغہ " جمع " ہے مگر تراجم میں اسے صیغہ " واحد " میں اور " اسم معرفہ " ظاہر کیا گیا ہے۔ حالانکہ عبرانی لفظ " اِلُوہیم " " اسم معرفہ " نہیں بلکہ " نکرہ " ہے۔ اس کے نکرہ ہونے کی وجہ " جمع " کی صورت نہیں۔ کیونکہ یہودیوں کے ہاں اللہ تبارک و تعالیٰ کی توحید کا صحیح مفہوم اور واضح مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت بلا سہیم، بلا اقنوم اور بلا شرکت غیرے " احد " ہے۔ بالفاظ دیگر یہ لوگ باریتعالیٰ کو ادب و احترام کی وجہ سے " اِلُوہیم " کہتے ہیں۔ عددی جمع کے باعث نہیں۔ اور اس کا معنیٰ " واحد " اور

"اسم معرفہ" سے کرتے ہیں۔ چنانچہ مسیحی مترجمین بائبل نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ جیسا کہ بائبل کے مختلف زبانوں کے نسخہ جات سے ظاہر کیا گیا ہے۔

لفظ "اِلوہیم" "صیغہ" "جمع" کی وجہ سے نکرہ نہیں۔ (جیسا کہ پادری فانڈر صاحب لفظ "مُحَمَّدِیم" کی بابت کہتے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۵۰ کے خط کشیدہ الفاظ) چونکہ لفظ "اِلوہیم" کا واحد لفظ "اِلوہ" "نکرہ" ہے اس لئے لفظ "اِلوہیم" بھی نکرہ ہے۔ اس لفظ کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے جبکہ لفظ "اِلوہیم" "جمع" ہے تو اس کا ترجمہ "واحد" اور "اسم معرفہ" میں کیوں کیا گیا ہے؟ تو اس سوال کا جواب مسیحی علماء کی زبانی سُنیئے۔ چنانچہ پادری مے پیٹر صاحب لکھتے ہیں:۔

پُرانے عہد نامہ میں خدا کے لئے لفظ "اِلوہیم" (Elohim) آیا ہے یہ جمع کی صورت ہے۔ حالانکہ اس کا فعل عموماً صیغہ واحد میں آیا ہے۔ اس لفظ کے جمع ہونے کی وجہ سے ہمیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ اس لفظ کو استعمال کرتے وقت یہودیوں کے ذہن میں تثلیث فی التوحید کا تصوّر تھا۔ ممکن ہے یہ لفظ بطور عزّت استعمال ہوا ہو۔ جیسا کہ ہم اُردو میں ایک شخص کے لئے بطور عزّت "آپ" استعمال کرتے ہیں۔" (تثلیث فی التوحید صفحہ ۱۸ مترجم پادری وکلف اے سنگھ صاحب)

پادری، ایف، ایس، خیر اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"استثنا ۶: ۴ "سن اے اسرائیل! خُداوند ہمارا خُدا ایک ہی خداوند ہے ....." یہ اہلِ یہود کا کلمہ ہے جو "شمع" کہلاتا ہے۔ عبرانی میں اس کلمہ میں "خدا" کے لئے لفظ "الوہیم" آیا ہے۔ یہ لفظ صیغہ جمع میں ہے۔ اس کا واحد "الوہ" ہے۔ یہودی اپنے عقیدے اور عام بول چال میں خدا کے لئے لفظ "الوہیم" ہی استعمال کرتے ہیں۔" (قاموس الکتاب تحت تثلیث فی التوحید صفحہ ۲۳۳)

نیز موصوف رقمطراز ہیں :-

" اِلُوہیم :- عبرانی میں خُدا کا ایک نام جو پرانے عہد نامہ میں ڈھائی ہزار سے زائد مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ اردو ترجمہ میں نہیں آتا لیکن یہ ایک نہایت اہم لفظ ہے۔ یہ لفظ صیغہ جمع میں ہے لیکن جب خدائے واحد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ فعل یا صفت کی تعریف واحد میں کی جاتی ہے۔ اس لفظ کی ابتدا کے متعلق مختلف نظریئے پیش کئے گئے ہیں۔ بعض لوگوں کے خیال میں اس کا تعلق عبرانی الفاظ " ایل " اور " الوہ " کے ساتھ ہے۔ اوروں کی نظر میں یہ اُن سے بہت مختلف ہے۔ غالباً عبرانی محاورے کے مطابق جمع کے صیغہ سے خُدا کی ہستی کا احترام اور تعظیم مقصود ہے۔ یہ خُدا کی کاملیت کا اعتراف کرتا ہے "۔ (قاموس الکتاب تحت الہام صؔ)۔

مسیحی علماء کے ان بیانات کے خط کشیدہ الفاظ سے حقیقت تو بالکل روشن ہو گئی ہے مگر پھر بھی جی میں آتا اور دل یہ بات کہتا ہے کہ اس حقیقت کی مزید تائید و تصدیق پادری فانڈر صاحب سے بھی کرا دی جائے تاکہ یہ تصدیق و تائید سونے پر سہاگہ کا کام دے سکے۔ چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حق میں موصوف رقمطراز ہیں :-

" حضرت محمد[1] نبی اسرائیل سے خارج[2] ہیں "۔

" حضرت محمد[1] مراد[2] ہیں "۔

" حضرت محمد[1] نہیں[2] ہیں "۔

(میزان الحق حصہ سوم باب ۲ صفحات بالترتیب ۳۰۶، ۳۱۱ اور ۳۱۲)۔

چونکہ موصوف کے خط کشیدہ الفاظ نمبر ۱ " واحد " اور نمبر ۲ " جمع " ہیں۔ اس لئے ان سے بھی وہی بات ظاہر ہوتی ہے جو ہم مسیحی علماء کے خط کشیدہ الفاظ سے ظاہر کر چکے ہیں

یعنی لفظ "اِلوٗہیم" تکریم و تعظیم کی وجہ سے "جمع" ہے۔ بالکل اسی طرح لفظ "مُحَمَّدِیم" بھی ادب واحترام کے پیشِ نظر "جمع" ضرور ہے مگر اس کا ترجمہ لفظ "اِلوٗہیم" کی طرح "واحد" اور "اسم معرفہ" سے یوں کیا جائے گا۔

حضرت "مُحَمَّد" صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

نہایت حیرت کا مقام ہے کہ جب ہم اہل اسلام مسیحی علماء کے اُسی معیار اور اُسی قاعدہ کے عین مطابق جو انہوں نے لفظ "اِلوٗہیم" کا ترجمہ کرتے وقت اختیار کیا اور اپنایا ہے۔ لفظ "مُحَمَّدِیم" کا ترجمہ "واحد" اور "اسم معرفہ" سے کرتے ہیں تو یہ لوگ اس صحیح ترجمہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ (دیکھو صفحہ ۵۰ کے خط کشیدہ الفاظ)۔

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خُدا کو دیکھ کر

ایک سوال اور اُس کا جواب

یہ سوال اور جواب بھی پُر لطف اور مزیدار، اور اس سے بھی ہمارے نظریئے کو مزید قوت و طاقت ملتی ہے۔ کیونکہ پادری فانڈر صاحب اس بات کے معترف ہیں کہ عبرانی لفظ "مُحَمَّدِیم" عربی لفظ "مُحَمَّد" کی طرح لفظ "حمد" سے مشتق ہے۔ چنانچہ موصوف کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:۔

"عبرانی لفظ "مُحَمَّدِیم" بمعنے راحتہا جو کہ لفظ "مُحَمَّد" کی طرح حمد سے مشتق ہے اس میں پایا جاتا ہے۔" (میزان الحق حصہ سوم باب ۲)۔

یاد رہے کہ ہمارا کلام اس لفظ کے معنوں میں نہیں بلکہ اس کے مصداق میں ہے۔

بہر حال موصوف کے نزدیک عبرانی لفظ "مُحَمَّدِیم" اور عربی لفظ "مُحَمَّد" یہ دونوں

ہی لفظ " حمد " سے مشتق ہیں۔ اِن کے اس نظریہ کے پیشِ نظر ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک جو کہ عربی ہیں " مُحَمَّدٌ " ، یہ خاص نام اور " اسم معرفہ " ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و شوکت اور عزّت و عظمت کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے ادب و احترام سے اگر اُردو میں یوں لکھا جائے

" مُحَمَّدٌ ہیں "

تو عربی لفظ " مُحَمَّدٌ " اور اُردو لفظ " ہیں " کو عبرانی میں کیسے ادا کیا جائے گا اور عبرانی میں اس کا ترجمہ کیا ہوگا؟ تو پادری فانڈر صاحب اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں :۔

" مُحَمَّدِیم "

(میزان الحق حصہ سوم باب ۲ صفحہ ۳۰۲ سطر بیسویں) (۳۰)

کوئی مانے یا نہ مانے مگر یہ بات بالکل صحیح و دُرست اور صداقت سے بھرپور ہے کہ اسلام میں آج بھی یہ تاثیر و کشش اور طاقت و قوّت موجود ہے کہ اپنا لوہا منوا اور اپنا سکّہ جما لیتا ہے۔

قسمت کے فیصلے

اور

مقدر کے سودے

کہ موصوف

کیا کرنے آئے تھے

اور

کیا کر چلے ؟!!

الغرض پادری فانڈر صاحب کے جواب سے بھی یہی حقیقت ظاہر ہوتی اور یہی صداقت منظرِ عام پر آتی ہے کہ زیرِ نظر بشارت میں عبرانی لفظ " مُحَمَّدِیم " ادب و احترام کی وجہ

سے "جمع" میں استعمال کیا گیا ہے درحقیقت لفظ "محمدؐ" عربی" واحد" نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک، خاص نام اور "اسم معرفہ" ہے۔ تثلیث کی طرح یہ کوئی دقیق اور عمیق بات نہیں ہے جسے انسانی عقل وفہم رد کرتے ہوں۔ بلکہ یہ بات بالکل آسانی سے دماغ میں آ اور دل میں سما جاتی ہے۔ بشرطیکہ نیت صاف اور سینہ پاک ہو۔

اہل علم وفہم پر یہ بات خوب روشن ہے کہ ایک زبان کا "اسم معرفہ" دوسری زبان میں استعمال کر لیا جاتا ہے۔ غور فرمایئے کہ لفظ "لکا" انگریزی بائبل کے دونوں نسخوں میں بطور "اسم معرفہ" استعمال کیا گیا ہے حالانکہ یہ لفظ انگریزی کا نہیں۔ ایک زبان کا "اسم معرفہ" دوسری زبان میں استعمال کرنا۔ یہ فعل قابلِ ملامت اور یہ امر لائق مذمت نہیں ہوتا۔ پس سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا اسم مبارک "محمدؐ" جو عربی، واحد، خاص نام اور "اسم معرفہ" ہے اسے ادب و احترام اور محبت وعقیدت کے پیشِ نظر عبرانی میں "جمع" (محمدیم) استعمال فرمایا ہے۔ اس سے یہ صداقت و حقیقت منوّر و اجاگر ہو گئی کہ اس بشارت کے مصداق حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی ہیں۔

عبرانی لفظ "الوہیم" کی بابت مسیحی علماء کی رائے

عبرانی بائبل کے مترجمین و دیگر مسیحی علماء کے وہ بیانات جو انہوں نے عبرانی لفظ "الوہیم" کے بارے میں دیئے ہیں۔ ہم ان تمام کا خلاصہ "مسیحی علماء کی رائے کے تحت" صرف اس لئے نقل کر رہے ہیں تاکہ دیگر طرز سے بھی یہ ظاہر کریں کہ لفظ

"مُحُمَدِّیم" کی اصلیت و حقیقت اور نوعیت و کیفیت زیر نظر بشارت میں کیا ہے؟

۱۔ "اِلُوہِیم" عبرانی لفظ ہے۔

۲۔ "اِلُوہِیم" جمع ہے۔

۳۔ "اِلُوہِیم" کا ترجمہ "واحد" (اِلُوہ) کیا جاتا اور "اِلُوہ" کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام اور "اسم نکرہ" ہے۔

۴۔ "اِلُوہِیم" کو "جمع" کی صورت میں لکھنے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی ہستی کا احترام اور تعظیم مقصود ہے۔

۵۔ "اِلُوہِیم" کو "جمع" کی صورت میں لکھنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ربّ العزّت کی کاملیت کا اعتراف کرنا مقصود ہے۔

عبرانی لفظ "مُحُمَدِّیم" کی بابت عدل و انصاف کی رائے

مسیحی علماء نے جس معیار سے عبرانی لفظ "اِلُوہِیم" کی بابت رائے پیش کی ہے۔ اسی معیار کے مطابق عبرانی لفظ "مُحُمَدِّیم" کے متعلق عدل و انصاف کی رائے پیش کیجاتی ہے۔

۱۔ "مُحُمَدِّیم" اصل میں لفظ "مُحَمَّد" عربی ہے۔ ادب و احترام کی وجہ سے عبرانی میں "جمع" استعمال کیا گیا ہے۔

۲۔ "مُحُمَدِّیم" "جمع" ہے۔

۳۔ "مُحُمَدِّیم" کا ترجمہ "واحد" (مُحَمَّد) کیا جائے گا اور لفظ "مُحَمَّد" کا ترجمہ نہیں ہوگا کیونکہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عربی میں اسم پاک اور یہ نام مبارک "اسم معرفہ" ہے۔

۴۔ "مُحمّدیم" کو صورتِ "جمع" میں لکھنے کی پہلی وجہ یہ کہ حضرت مُحمّدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی کا احترام اور تعظیم مقصود ہے۔

۵۔ "مُحمّدیم" کو "جمع" کی صورت میں لکھنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مُحمّدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی کاملیت کا اعتراف مقصود ہے۔

ہم خط کشیدہ الفاظ کی بابت یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم صرف نبی ہی نہیں بلکہ آپ "خاتم النبیین" یعنی سلسلہ انبیاءؑ کے آخری نبیؐ اور آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی لوگوں کی راہنمائی اور رہبری کے واسطے نہیں آئے گا۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کاملیت کا اعتراف بھی مقصود تھا۔ اس لئے آپ کا اسم مبارک (مُحمّدؐ) عبرانی میں صورتِ "جمع" (مُحمّدیمؐ) میں بیان کیا گیا۔

مسیحی علماء کی رائے کے معیار کے عین مطابق عدل و انصاف کی رائے سے یہ حقیقت خوب چمک اور یہ صداقت خوب دمک اٹھی کہ پیغمبر رحمان حضرت سلیمان علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے پیشِ نظر عبرانی میں جس لفظ (مُحمّدیم) کو جمع کی صورت میں ارشاد فرمایا ہے دراصل وہ لفظ عربی میں (مُحمّدؐ) اور "واحد" ہے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص نام عالی اور یہ اسم گرامی "اسم معرفہ" ہے۔ پس انصاف و عدل کی رائے کے پیشِ نظر بھی اس بشارت کے مصداق سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قرار پاتے ہیں۔

سخن لطیف

"الوہیم"

اور

"مُحمّدیم"

میں ایک عجیب و غریب نکتہ پایا جاتا اور وہ:

جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ الوہیت و ربوبیت کی حیثیت سے تمام مخلوقات سے اکبر، اکمل، افضل، اعلیٰ اور ارفع ہے۔ بالکل اسی طرح حق سبحانہٗ کے بعد حضرت "محمد رسول اللہ" صلی اللہ علیہ وسلم، خاتم النبیین ہونے کی حیثیت سے تمام حضرات انبیاءؑ میں سے اکبر، اکمل، افضل، اعلیٰ وارفع ہیں۔ کسی نے آپ کی شانِ اقدس میں کیا خوب کہا ہے:-

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جس طرح فریقین کا پہلی بات پر اتفاق ہے دُعا ہے کہ بالکل اسی طرح دوسری بات پر بھی اتفاق ہو جائے۔ آمین ثم آمین۔

بشارت کے عبرانی الفاظ کے (۲) دو ترجمے

زیرِ نظر بشارت کے عبرانی الفاظ کے دو ترجمے سامنے آتے ہیں:-

پہلا ترجمہ:- مسیحی مترجمین کا جو اردو بائبل میں یوں مرقوم ہے:-

"اُس کا منہ از بس شیرینی ہے۔ ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے۔
اے یروشلیم کی بیٹیو!"

ہم اپنے نظریہ کے مطابق عبرانی بشارت کے اس ترجمہ کو نقل کرتے ہیں اور اس ترجمہ کو اسی ترتیب سے لکھیں گے۔ جو ترتیب عبرانی، عربی، فارسی اور انگریزی نسخہ جات میں موجود ہے:

"اُس کا منہ از بس شیرینی ہے۔ ہاں وہ سراپا محمدؐ ہے۔
یہ (محمدؐ) ہے میرا محبوب۔ یہ (محمدؐ) ہے میرا پیارا۔
اے یروشلیم کی بیٹیو!

دوسرا ترجمہ:- مسلمان مترجمین کا اور وہ یہ ہے:-

"اُس کا منہ از بس شیرینی ہے۔ وہ تو ٹھیک محمدؐ ہے۔

یہ (محمدؐ) میرا محبوب ہے اور یہ (محمدؐ) میرا پیارا ہے۔

اے یروشلیم کی بیٹیو!"

اے یروشلیم کی بیٹیو! ان دونوں تراجم سے یہی حقیقت چمکتی اور یہی صداقت دمکتی ہے کہ یہ بشارت فقط اور صرف ذات بابرکات جناب رسالت مآب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بیان کی گئی ہے۔

آپؐ کا اسم مبارک ہندوؤں کی کتابوں میں

یہ بات بھی پُر لطف ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اسم مبارک ("محمدؐ") ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں بھی بطور بشارت پایا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالطیف صاحب مسعود سیالکوٹی تحریر فرماتے ہیں:۔

"پھر مولوی محمد حسن اپنی کتاب "کشف الاستار" میں لکھتے ہیں:۔

"اتھروین وید" میں "اللہ" کا لفظ پایا جاتا ہے اور حضور محمدؐ عربی کا نام نامی بھی۔

"احمدؐ و محمدؐ" جس کا اشارہ "مہامت" میں موجود ہے۔ "رکھ کھنڈ" میں یوں آیا ہے:۔

"سری قوام سر سمو دائی دکالی "احمدؐ" نارد بائی"۔

"یجر وید" میں یوں دیکھا گیا ہے کہ:۔

"الانک نج الوجان محمدؐ الانک کرمان جان تیجان نندما فی جان جان نماہی جیوسان کجان"۔ (وہ عہد کا رسولؐ ص ۱۱۷)۔

نیز مولانا سیالکوٹی رقم طراز ہیں:۔

"اتفاق سے اکبر کے زمانہ میں ایک براہمن مسلمان ہوا۔ اُس نے برہمنوں سے

کہا کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور اس طرح سچے برہمن بن جاؤ۔ کیونکہ جس بات کی تصدیق برہمنی ادبیات اور کتب متبرکہ میں موجود ہے اس کے ماننے سے ہم برہمن ہو سکتے ہیں۔ وہ برہمن کہتا تھا کہ مسلمان ہونے سے ہم سچے عیسائی بھی بن سکتے ہیں کیونکہ مسلمان مسیحؑ کی بھی تصدیق کرتا ہے۔ اور اسی طرح ہم ہندو بھی اسی وقت ہو سکتے ہیں کہ "محمد ﷺ" پر ایمان لائیں۔ جنہوں نے سب اوتاروں اور نبیوں کی تصدیق کی ہے۔ آخر میں مناظرہ کے اس نے "اتھرین وید" کا یہ ٹکڑا پیش کیا جسے "دبستان المذہب" (مطبوعہ نولکشور لکھنؤ) والے نے بھی "اُن کہی" لکھا ہے:۔

"لا الٰہا ہرنی پاپن الا الٰہا پرم پدم
جنم بے کنٹھ پراپ نیوتی توجپی نام محمد ﷺ"

لا الٰہ کہنے سے پاپ مٹتے ہیں اور الا اللہ کہنے سے پرم پدوی ملتی ہے۔ اگر ہمیشہ ہمیشہ کی بہشت چاہو تو نام محمد ﷺ جپا کرو" (ص ۱۱۷ و ۱۱۸)۔

حضرت مولانا موصوف اس کے آگے لکھتے ہیں:۔

"ہم نے اکثر ہندو فقیروں سے پوچھا کہ منزل فقر میں جب راستے طے کئے جاتے ہیں تو کیا کسی جگہ پیغمبر عرب کی رہنمائی اور روشنی سے مدد ملتی یا ضرورت پڑتی ہے؟ انہوں نے کہا آگے چلتے چلتے ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں ہندو اور غیر ہندو کا فرق باقی نہیں رہتا۔ اس وقت ہم پر حقیقت احوال منکشف ہو جاتی ہے۔ وہاں ایک قدم آگے بھی بغیر اقرار اور وسیلہ محمد عربی ﷺ کے نہیں جا سکتے۔ چنانچہ ایک گوسائیں نے رامائن کے آخر بالکنڈ حصہ سے کچھ اشعار ایک خاص لہجہ میں سنائے۔

؎ راج سینت بھو پریت دکھائے

آپن مت سب کا سمجھائے

"بادشاہی قاعدہ سکھائے خوف اور محبت سے کام لے اپنا دین سب کو بتائے"

نگم اگم سوئی پنچ ادپارا

پتی ایا او نمت بھلارا

"سمندر کے پھیلاؤ کے مانند اُن کا جلال ہوگا، گرم ہوگا آنواں ان میں بیچ ہے"

یعنی جس طرح کمہار آنویں کے بیچ میں آگ لگاتا ہے جو تمام جگہ پہنچ جاتی ہے

اسی طرح اُن کا دین سب میں پہنچ جائے گا۔"

تب لگ سلازم پچھے کوئے

بنا محمدؐ پار نہ ہوئے

"یعنی تب خدا تک بغیر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کے نہیں پہنچ سکتا۔"

ماہر سلازم نماں نہینہ ہوئے

تلشی بچن ست ست کوئے

"اُس کے بعد خدائی پیغام نہ ہوگا۔ تلشی سچ سچ کہتا ہے۔" (ص ۱۱۸، ۱۱۹)۔

نیز مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولوی عبدالرحمٰن چشتیؒ کا مزار لکھنؤ میں ہے۔ یہ بڑے پایہ کے صوفی گزرے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہندوؤں میں ایک "بھوتک اوتر پران" ہے۔ اس کتاب کے تالیف کرنے والے بیاس جی مشہور ہندو رشی ہوئے ہیں وہ اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ:۔

"آئندہ زمانہ میں مہامت پیدا ہوں گے۔" (ص ۱۱۹)۔

الغرض ہندوؤں کی معتبر کتابوں سے جو پیشنگوئیاں نقل کی گئی ہیں اُن تمام کے مصداق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی ہیں کیونکہ آپؐ کا اسم مبارک حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ

وسلم ہے۔

آپ کا اسم مبارک قرآن پاک میں

آپ کا یہ اسم گرامی اور نام عالی قرآن پاک میں بھی چار مقامات پر آتا ہے:۔

۱:۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (سورۃ آل عمران آیت ۱۴۴)

(اور نہیں حضرت محمدؐ مگر پیغمبر۔)

۲:۔ وَمَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)

(نہیں ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم باپ کسی کا مردوں میں تمہارے میں سے ولیکن پیغمبر خدا ہے اور ختم کرنے والا تمام نبیوں کا۔)

۳:۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ کَفَّرَ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَاَصْلَحَ بَالَھُمْ ۝ (سورۃ محمدؐ آیت ۲)

(اور جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے اچھے اور ایمان لائے ساتھ اُس چیز کے کہ اتاری گئی ہے اوپر محمدؐ کے اور وہ حق ہے پروردگار اُن کے سے، دُور کیں اُن سے برائیاں اُن کی اور سنوارا حال اُن کا۔")

۴:۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (سورۃ فتح آیت ۲۹)

(محمدؐ رسول اللہ کا ہے۔) (ترجمہ قرآن مجید از شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ)

قرآن مجید کے ان واضح ارشادات اور بیّن فرمودات کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص اب بھی یہ کہے کہ قرآن مجید سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت ثابت نہیں ہوتی تو وہ شخص بغض کا شکار اور ضد میں گرفتار ہے۔

آپ کا اسم پاک احادیث میں

محبوب کبریا اور امام الانبیاءؑ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسم عالی حدیث پاک میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد بدر عالمؒ اپنی مشہور و معروف کتاب "ترجمان السُّنّۃ" جلد اوّل "اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:-

"(۱۹۰) عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ لِیْ اَسْمَاءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِیُ الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمَیَّ وَاَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ" (متفق علیہ)

(۱۹۰) جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسُول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ میرے چند نام ہیں، میں محمدؐ ہوں، احمدؐ ہوں اور ماحی ہوں وہ ماحی جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو محو کرے گا۔ اور حاشرؐ ہوں وہ حاشر جس کے بعد ہی قیامت میں اور لوگوں کا حشر ہوگا اور عاقبؐ ہوں۔ عاقبؐ اُسے کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوا۔ (متفق علیہ)

(۱۹۰) حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر نام آپ کی کسی نہ کسی صفت کی جلوہ گاہ ہے صرف ایک عَلَم نہیں جس کا مقصد کسی ذات کا تعارف ہوتا ہے اور بس یہی وجہ ہے کہ آپ کے اسماء بہت ہیں۔ عرب میں اسماءِ کنیتوں اور القاب کے تعدد کا کچھ دستور بھی تھا اور اسی پر اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی ذات اور اُن کے افعال و اقوال خواہ اختیاری ہوں یا غیر اختیاری،

عمداً انھوں یا بھول کر سب حقائق و اسرار کا ایک مجموعہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح اُن کے اسماء بھی صرف تعیینِ شخصیتہ کے لئے نہیں بلکہ وہ بھی اپنی جگہ ایک گنجینۂ معارف ہوتے ہیں۔ دراصل یہ اسمآء ان تمام اوصاف و مبادی کے ترجمان ہوتے ہیں۔ جو دست قدرت نے ازل سے اُن میں ودیعت رکھے ہیں اگر اُن کو رحیم کہا جاتا ہے تو اس کے لئے وہ درحقیقت پیکرِ رحمت ہوتے ہیں اگر اُن کو ماحی کہا جاتا ہے تو اس لئے وہ حقیقتاً آثار کفر کو مضمحل و کمزور بنا کر فنا کے قریب کر دیتے ہیں۔ اگر کسی کو عاقب کہا جاتا ہے تو اس لئے کہ وہ درحقیقت آخر میں آنیوالا ہوتا ہے۔ غرض جتنی پُر از حقیقت و اسرار اُن کی ذات ہوتی ہے اُسی قدر حقیقت سے لبریز اُن کے اسمآء ہوتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمآء مبارکہ کو آپ صرف ناموں کا ایک ڈھیر نہ سمجھیں اور نہ ایسا بے حقیقت تصوّر کریں جیسا کہ ہر ماں صرف محبّت میں اپنے بیٹے کا خوبصورت سے خوبصورت نام رکھ لیتی ہے۔ خواہ اس نام کا اس میں کوئی اثر نہ ہو۔ وہ سیاہ فام بچے کو چاند کہہ کر پکارتی ہے اور غبی سے غبی لڑکے کا نام ذکی تجویز کر دیتی ہے مگر یہ سب کچھ بے حقیقت ہوتا ہے۔ کہیں عَلم کی اصل وضع اگر تعریف شخصیتہ کے لئے نہ ہوتی تو کذب اور جھوٹ بھی ہو جاتا۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کو اس نظر سے نہ دیکھیں بلکہ اُن کو کمالاتِ محمدؐ کی رنگین چلمنیں سمجھیں، جن میں چھن چھن کر آپ کے کمالات نظر آتے رہتے ہیں۔

(۱۹۱). عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تَعْجَبُوْنَ کَیْفَ یَصْرِفُ اللّٰهُ عَنِّیْ شَتْمَ قُرَیْشٍ وَلَعْنَهُمْ یَشْتِمُوْنَ مُذَمَّمًا وَیَلْعَنُوْنَ مُذَمَّمًا

وَاَنَا مُحَمَّدٌ۔ (بخاری)

(۱۹۱) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیا یہ عجیب اور پُر لطف بات بھی دیکھی ہے؟ اللہ تعالیٰ کس خوبی سے قریش کی لعنت ملامت میرے نام پر پڑنے نہیں دیتا وہ مذمم کو بُرا بھلا کہتے ہیں، مذمم پر لعنتیں برساتے ہیں اور میں تو محمد ﷺ ہوں (بخاری)

(۱۹۱) کفار جلن کے مارے آپ ﷺ کا اسم مبارک بھی زبان پر نہ لا سکتے تھے۔ قدرت نے آپ کا اسم مبارک بھی ایسا خوبصورت رکھا تھا کہ اس کا زبان پر لانا آپ کی بے شمار تعریف کے قائمقام ہو جاتا تھا اس لئے محمد ﷺ کے بجائے وہ آپ کو مذمم کہا کرتے (یعنی مذمت کیا گیا) اور جب اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنا چاہتے تو "مذمم" نام لے کر بُرا بھلا کہتے۔ اس میں خدا کی یہ عجیب حکمت تھی کہ اگر کفار آپ کا اصل نام لیتے تو صدہا تعریفوں سے بڑھ کر ہوتا۔ اور اگر مذمم کہتے تو وہ یوں خوش ہوتے کہ وہ آپ کو بُرا بھلا کہہ رہے ہیں اور قدرت یوں ہنستی کہ اُن کی تمام بیہودہ گوئیوں کی بوچھار بجائے آپ ایک فرضی شخص پر جا پڑتی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ ہم آپ کے دو ناموں کی قدرے مزید تشریح کر دیں جو سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

احمد و محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

مبارک بے نظیر تھی۔ آپ کے یہ اسماء بھی بے مثل ہی تھے۔ آپ سے پہلے کسی ذہن میں ان اسماء کا خطور بھی نہ ہوا تھا۔ حتیٰ کہ جب آپ کی ولادت کا زمانہ نزدیک آگیا، کاہنوں، منجموں اور اہل کتاب نے نام لے کر آپ کی آمد کی بشارتیں دیں تو لوگوں نے اس نبی منتظر کی طمع میں اپنی اولاد کا نام محمد و احمد رکھنا شروع کر دیا۔ جہاں تک تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ جن کے نام احمد و محمد رکھے گئے تھے ان کی کل تعداد چھ تک ہے۔ ساتواں کوئی شخص ثابت نہیں ہوتا۔ سہیلیؒ صرف تین ہی بتلاتے ہیں۔ (۱) محمد بن سفیان بن مجاشع۔ (۲) محمد بن احیحہ بن الحلاج۔ (۳) محمد بن عمران بن ربیعہ۔ سہیلی سے پہلے ابو عبداللہ بن خالویہؒ کا خیال بھی یہی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ آٹھویں صدی میں جب پھر اس کے درپے ہوئے تو انہوں نے ان کی تعداد بیس تک پہنچا دی اور تکرار و اوہام حذف کرنے کے بعد منقح تعداد پندرہ قرار دی۔ جس میں سب سے زیادہ مشہور محمد بن عدی بن ربیعہؓ ہیں۔ ان کا واقعہ بغویؒ، ابن سعد، ابن شاہینؒ اور ابن السکنؒ وغیرہ ہم نے اس طرح بیان کیا:۔

”کہ خلیفہ بن عبداللہؒ نے محمد بن عدیؒ سے پوچھا تمہارے والد نے تمہارا نام زمانہ جاہلیت میں ”محمد“ کیسے رکھ دیا؟ انہوں نے جواب دیا اس کے متعلق جیسا تم نے مجھ سے پوچھا ہے ایسا ہی میں نے اپنے والد سے پوچھا تھا انہوں نے فرمایا تھا کہ میں قبیلہ بنی تمیم کے تین اور شخصوں کے ہمراہ ابن حنیفہ غسانی کی ملاقات کے لئے ایک مرتبہ شام کی طرف روانہ ہوا۔ ہم ایسے چشمہ پر جا کر اُترے جو گرجا کے قریب تھا۔ گرجا کا منتظم ہمارے پاس آیا اور اُس نے کہا۔ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں تم دوڑ کر ان

کو قبول کر لینا۔ ہم نے کہا اُن کا نام؟ اس نے کہا اُن کا نام "محمد ﷺ"۔ جب اس سفر سے ہم واپس ہوئے تو اتفاقاً ہم سب کے یہاں لڑکے پیدا ہوئے اور اس لئے ہم سب نے اپنے اپنے لڑکوں کے نام "محمد" رکھدیا۔

اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے اور اشخاص کے نام بھی بہ تفصیل تحریر کئے ہیں۔ دیکھو فتح الباری باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ حافظ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ تورات میں آپ کا جو اسم مبارک مذکور ہے وہ "احمدؐ" ہے۔ حافظ ابن قیمؒ اس رائے سے متفق نہیں۔ وہ اس پر اصرار کرتے ہیں کہ تورات میں آپ کی آمد کی پیشنگوئی اسم "محمد ﷺ" کے ساتھ بھی موجود ہے۔

اس کے بعد حافظ ابن قیمؒ اسم "محمد ﷺ" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "محمدؐ" وہ ہے جس میں بکثرت تعریف کے اوصاف پائے جائیں۔ محمود بھی اسم مفعول کا صیغہ ہے مگر جو مبالغہ باب تفعیل میں ہوتا ہے وہ ثلاثی مجرد میں نہیں ہوتا اس لئے "محمد" محمود سے زیادہ بلیغ ہے۔ "محمد" اُس کو کہتے ہیں جس کی اتنی تعریف کی جائے جتنی کسی اور بشر کی نہ کی جائے اسی لئے تورات میں آپ کا نام "محمد ﷺ" ہی ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ کے اوصاف حمیدہ، آپ کی اُمت اور آپ کے دین کے فضائل و کمالات کا اتنی کثرت سے اس میں ذکر ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے اولو العزم رسول کو بھی آپ کی اُمت میں ہونے کی آرزو ہونے لگی۔

"احمد":۔ یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں معنوں میں مستعمل ہو سکتا ہے۔ پہلی صورت میں اس کے معنے ہیں

"احمد الحامدین لربہ" یعنی تمام تعریف کرنے والوں میں اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔ دوسری صورت میں اس کے معنے ہیں "احق الناس واولاھم بان یحمد" تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تعریف کرنے کے قابل اور ثنا کا مستحق۔ اس بنا پر "محمدؐ و احمدؐ" میں فرق یہ رہے گا کہ "محمدؐ" وہ ہے جس کی تعریف اپنے اوصاف جمیلہ کی وجہ سے سب سے زیادہ کی جائے۔ اور "احمد" وہ ہے جس کی تعریف سب سے بہتر اور عمدہ کی جائے پس "محمدؐ" بلحاظ کمیت ہے اور "احمد" بلحاظ کیفیت۔ دونوں ناموں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اپنے خلق و خصائل کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں کہ سب سے زیادہ اور سب سے کامل تعریف آپ کی ہو۔ اس تحقیق کے بعد ان دونوں مفہوموں کے لحاظ سے سطح عالم پر نظر ڈالیئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ اسماء جتنی حقیقت اور جتنی صداقت کے ساتھ آپ کی ذاتِ مبارک پر چسپاں ہیں اتنے کسی اور پر نہیں۔ اگر یہاں اسم تفضیل کو اسم مفعول کے معنی میں لیجئے تو خالق سے مخلوق تک انبیاء علیہم السلام سے لے کر جنّ و ملک تک، حیوانات سے لے کر جمادات تک غرض ہر ذی روح اور غیر ذی روح سب ہی نے آپ کی تعریفیں کی ہیں اور آج بھی چالیس کروڑ انسانوں کی زبانیں دن میں نہ معلوم کتنی بار آپ کی تعریف کے لئے متحرک رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ کفار میں بھی ایک معقول طبقہ ایسا ہے جو اگرچہ آپ کا دین تسلیم نہیں کرتا مگر آپ کی دیانت و امانت، عدل و انصاف، صداقت و راستبازی، ہوش و خرد کا ثناں خواں ہے (اس بات کا ثبوت صـ ۴۲ تا ۴۶ پر ملاحظہ فرمایئے۔ حسینی) اس لئے اگر اپنے خیال میں

آپ ذرا علیحدہ ہو کر ازل سے ابد تک کی دنیا کی طرف کان لگائیں تو جس کی سب سے زیادہ اور سب سے بہتر تعریف آپ کے کان سنیں گے وہ مبارک ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی ہو گی ۔

نہ دانم آں گل رعنا چہ رنگ و بو دارد　　　　که مرغ ہر چمنے گفت گوئے او دارد

اس لئے "محمد یا احمد" (بمعنی اسم مفعول) نام کی مستحق جتنی کہ آپ کی ذات ہو سکتی ہے اتنی کسی اور کی نہیں ہو سکتی اور اگر "احمد" کو اسم فاعل کے معنی میں لیجئے تو بھی اس اسم مبارک کی سب سے زیادہ مستحق آپ ہی کی ذات پاک ہے۔ کیونکہ جس قدر خدا کی تعریف آپ نے کی ہے اتنی کسی بشر نے نہیں کی اور اسی طرح اپنی اُمت کو بھی موقعہ بموقعہ خدا کی اتنی حمد سکھائی کہ کتب مقدسہ میں اس اُمت کا لقب ہی حمّادون پڑ گیا یعنی خدا کی بہت تعریف کرنے والی اُمّت۔ صحیحین میں ہے کہ محشر میں جب شفاعت کے لئے آپ تشریف لے جائینگے تو آپ پر خُدا کی حمد و ثنا کا دروازہ کھولا جائیگا جو اس سے پیشتر کسی پر نہیں کھولا گیا تھا۔ پس سب انبیاءؑ تو حمّاد ہیں اور ان حمادون میں آپ "احمدؐ" ہیں۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ پہلے آپ "احمدؐ" تھے پھر "محمدؐ" ہوئے کیونکہ سب سے پہلے آپ نے خُدا کی تعریف کی پھر آپ کے بعد مخلوق نے آپ کی تعریف کی۔ اسی طرح محشر میں سب سے پہلے آپ ہی خُدا کی حمد کریں گے جب آپ کی سفارش سے حساب شروع ہو جائے گا تو پھر اہل محشر آپ کی حمد کریں گے اس لئے آپ پہلے "احمد" ہیں اور بعد میں "محمدؐ"۔ بلحاظ وجود بھی پہلے آپ "احمدؐ" ہیں اور بعد میں "محمدؐ"۔ اسی وجہ سے کتب سابقہ میں آپ کی بشارت اسم "احمدؐ" سے مذکور ہے اور جب عالم وجود میں

تشریف لے آئے تو "مُحَمَّد" کے نام سے پکارے گئے۔" (دیکھو فتح الباری)[ل]

ل حافظ سہیلیؒ لکھتے ہیں کہ "مُحَمَّد" کے وزن میں، ہمیشہ تکرار کے معنی ملحوظ رہتے ہیں۔ اسلئے "محمدؐ" اُس کو کہا جائیگا جس کی بار بار تعریف کی جائے اور "احمدؐ" وہ ہے جو سب سے زیادہ تعریف کرنیوالا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں اسماء واقع کے مطابق ہیں یعنی آپ "احمدؐ" بھی ہیں اور "مُحَمَّدؐ" بھی لیکن پہلے آپ "احمدؐ" ہیں پھر "محمدؐ" ہیں بلکہ "احمدؐ" ہونے کی وجہ سے ہی آپ "محمدؐ" ہوئے آپ نے پہلے خدا کی تعریف کی اس لئے آپ "احمدؐ" ہوئے نبوت کی سرفرازی کے بعد پھر مخلوق نے آپ کی تعریف کی اس لئے بعد میں "محمدؐ" ہو گئے۔ محشر میں بھی پہلے آپ خدا کی تعریف کریں گے اس لئے "احمدؐ" پہلے ہونگے۔ پھر شفاعت کے بعد مخلوق آپ کی تعریف کرے گی۔ اس لئے بعد میں "مُحَمَّدؐ" ہوں گے۔ غرض ازل سے ابد تک کی تاریخ بتاتی ہے کہ شانِ احمدی، شانِ محمدی پر مقدم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے جب آپ کے نام کی بشارت سنائی تو اسم "احمدؐ" ہی کے ساتھ سنائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب اُمتِ محمدیہ کے کمالات کا ذکر آیا تو اُنھوں نے بھی یہی فرمایا اللّٰھم اجعلنی من امۃ احمد۔ اے اللہ تو مجھے امت احمدؐ میں بنادے اس بیان سے اس کا نکتہ بھی نکل آیا کہ جب آپؐ کا اسم مبارک "محمدؐ" تھا تو پھر کتب سابقہ میں آپ کی بشارت میں اسم "احمدؐ" کیوں ذکر کیا گیا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ حافظ ابن قیمؒ کو حافظ سہیلیؒ کے اس بیان سے سخت اختلاف ہے۔ وہ اس پر اصرار کر رہے ہیں کہ توراۃ میں آپ کا اسم مبارک "محمدؐ" بھی موجود ہے۔ (دیکھو زاد المعاد) شروع بیان میں یہ بحث کی گئی ہے کہ آپ سے پیشتر عرب میں یہ اسماء معہود نہ تھے اب ان تمام تفصیلات سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حکمت الٰہیہ نے ان دونوں ناموں کو آپ ہی کی ذات کے ساتھ کیوں مخصوص کر دیا تھا۔

ف
اس مقام پر حافظ سہیلیؒ اور حافظ ابنِ قیمؒ میں جو اختلاف پایا جاتا اور نظر آتا ہے یہ اختلاف

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

خلاصہ یہ ہے کہ "احمدؐ" بمعنی "محمدؐ" ہو یا بمعنی احمد الحامدین یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حمد کو ہر پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت بڑی خصوصیت حاصل ہے۔ اسی بنا پر سورۂ الحمد خاص کر آپ کو ہی مرحمت ہوئی۔ آپ کی ہی اُمت کا لقب حمادون ہوا۔ اور محشر میں "لواءِ حمد" (حمد کا جھنڈا) بھی آپ کے ہی ہاتھوں میں ہوگا۔ اور آپ ہی کے مخصوص مقام کا نام "مقام محمود" ہے۔ آپ کی شریعت میں بھی کھانے کے بعد، پینے کے بعد، دعا کے بعد، سفر سے واپسی کے بعد غرض بہت سے مختلف مواضع پر خُدا کی حمد سکھائی گئی۔ پھر یہ مختلف اور متنوع تعریفیں جب ہر زمانہ میں بے شمار انسانوں کی زبانوں سے ہوتی ہیں وہ درحقیقت آپ ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے ان تمام تعریفوں کو بجاطور پر آپ کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد اب سوچو کہ جتنی خدا کی تعریف فضاءِ عالم میں آپ کے ذریعہ سے گونجی کیا کبھی کسی اور کے ذریعہ سے گونجی ہے اور اسی کے ساتھ جتنی کثرت کے ساتھ خُدا کی غیر متناہی مخلوق نے آپ کی تعریفیں کیں اتنی کسی اور شخصیت کی کی ہیں۔ پس ہر اعتبار سے حمد کی جتنی خصوصیت آپ کی ذات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ اتنی کسی اور ذات کے ساتھ نہیں ہوتی اس لئے "احمدؐ و محمدؐ" نام پانے کے لئے بھی آپ ہی کی ذات منتخب ہونی چاہیئے۔

کفر و اسلام کا نہیں بلکہ یہ ایک پُر لطف اور علمی بحث ہے۔ جس طرح بعض مزاج شیرینی، بعض مزاج نمکینی، بعض مزاج جمال اور بعض مزاج جلال کو پسند کرتے ہیں بالکل اسی طرح ان دونوں حضرات کا اپنا اپنا علمی ذوق ہے اور یہ ذوق و مزاج قابل مدح ہے، قدح نہیں۔ (حسینی)۔

اسی لئے آپ سے پہلے بھی جس نے یہ نام رکھا۔ آپ کی اتباع میں رکھا اور بعد میں بھی جس نے اس نام کو اختیار کیا آپ ہی کے اتباع میں کیا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ

شیخ اکبرؒ یہاں ایک اور عجیب نکتہ لکھ گئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حمد ہمیشہ آخر میں ہوتی ہے جب ہم کھا پی کر فارغ ہو لیتے ہیں تو خدا کی حمد کرتے ہیں۔ جب سفر ختم کر کے گھر واپس آتے ہیں تو خدا کی حمد کرتے ہیں۔ اسی طرح جب دنیا کا طویل و عریض سفر ختم کر کے جنت میں داخل ہونگے تو خدا کی حمد کریں گے واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔ (دیکھو روض الف صفحہ ۱۰۶ ج اوّل)۔ اس دستور کے مطابق مناسب ہے کہ جب سلسلہ رسالت ختم ہو تو یہاں بھی خدا کی حمد ہو۔ اس لئے جو نبی سب سے آخر میں آئے ان کا نام "محمد ﷺ" رکھا گیا۔ بے شک جو ذات پاک حسن و خوبی کی تمام رعنائیوں اور زیبائشوں کا مجموعہ ہو اس کے اسماء بھی حسن و خوبی کا مجموعہ ہونے چاہئیں۔" (صفحہ ۵۰ تا ۵۴)۔

ایک عجیب و غریب بات

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ کا ذکر خیر ہو رہا ہے۔ اس لئے عقیدت و محبت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آپ کے اسماء مبارکہ کے متعلق ایک ایسی عجیب و غریب بات تحریر کر دی جائے جس سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تمام حضرات انبیاء علیہم السلام سے اعلیٰ، ارفع اور اکمل ثابت و ظاہر ہو۔ سماعت فرمائیے! امام الانبیاءؑ اور محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے ننانوے 99 اسماء مبارکہ صرف اہل اسلام ہی میں مشہور و معروف نہیں بلکہ ان کی شہرت مسیحی علماء میں بھی ہے۔ اسی

شہرت کی بنا پر مسیحی علماء نے سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کے ننانوے ۹۹ اسماء مبارکہ "القاب مسیحؑ" کے عنوان کے تحت "قاموس الکتاب" کے صفحہ ۷۵، ۷۶، ۷۷ پر نقل کئے ہیں۔ چنانچہ پادری ایف، ایس خیر اللہ صاحب رقمطراز ہیں:۔

نمبر ۷۔ "استاد"۔ نمبر ۴۹۔ "ربّونی"۔ نمبر ۵۰۔ "ربّی"۔

جبکہ "ربّونی" اور "ربّی" عبرانی الفاظ اور ان کے معنے "استاد" ہیں۔ تو یہ تین نام نہیں بنتے۔ صرف ایک نام بنتا ہے۔ (استاد)۔

نمبر ۸۔ "اسرائیل کا بادشاہ" نمبر ۹۹۔ "یہودیوں کا بادشاہ"۔

یہ دو ۲ نام نہیں بلکہ صرف ایک ہی نام ہے کیونکہ عبرانی میں یہودیوں کو "اسرائیل" کہتے ہیں۔

نمبر ۲۴۔ "چھڑانے والا"۔ نمبر ۷۶۔ "مخلصی دینے والا"۔ نمبر ۸۴۔ "مُنجی"۔

یہ تین نام نہیں بلکہ ایک ہی ہے۔ دیکھو دو جگہ "منجی" کے معنے لکھ دیئے اور تیسری جگہ "منجی" لکھ دیا۔

نمبر ۲۷۔ "خدا تعالےٰ کا بیٹا"۔ نمبر ۲۹۔ "خُدا کا بیٹا"۔

یہ دو نام نہیں بلکہ ایک ہی ہے کیونکہ "خدا تعالےٰ" اور "خدا" ایک ہی ذات پاک ہے۔

نمبر ۳۷۔ "خداوند مسیح"۔ نمبر ۸۲۔ "مسیح خداوند"۔

الفاظ کو آگے پیچھے کرکے ایک ہی نام کو دو مرتبہ ظاہر کیا گیا ہے۔

نمبر ۴۰۔ "خرستس"۔ نمبر ۷۹۔ "مسیح"۔

"خرستس" یونانی لفظ اور اس کا معنےٰ "مسیح" ہے۔ جبکہ اردو میں "مسیح" لکھ دیا گیا تو یونانی میں لکھنے کی ضرورت نہیں۔ الغرض ایک نام ہے دو نہیں۔

نمبر ۴۸۔ "راستباز"۔ نمبر ۹۴۔ "یسوع مسیح"۔ نمبر ۹۵۔ "یسوع مسیح راستباز"

"یسوع مسیح راستباز" دوبارہ لکھ دیا گیا۔ حالانکہ "راستباز" اور "یسوع مسیح" پہلے لکھے گئے ہیں۔

نمبر۷۹۔ "مسیح"۔ نمبر۸۶۔ "ناصری"۔ نمبر۹۲۔ "یسوع"
نمبر۹۳۔ "یسوع ناصری" نمبر۹۶۔ "یسوع مسیح ناصری"۔

جبکہ "مسیح"، "ناصری" اور "یسوع" پہلے تینوں نام لکھ دیئے گئے ہیں۔ تو "یسوع ناصری" اور "یسوع مسیح ناصری" دوبارہ لکھنے زیب نہیں دیتے۔

نمبر۸۱۔ "مسیح یسوع"۔ نمبر۹۴۔ "یسوع مسیح"۔

ایک ہی نام کو الٹ پلٹ کر دوبارہ لکھا گیا۔

نتیجہ یہ کہ ایڑی چوٹی کا زور بھی لگایا اور بنیئے کے کھاتے (دو۲ آنے کا گڑ اور دو۲ آنے گڑ والے جمع چار۴ آنے) کو بھی مات کیا گیا مگر پھر بھی بیل منڈھے چڑھی نہیں، دال گلی نہیں اور بات بنی نہیں۔ کیونکہ جس طرح امام الانبیاءؑ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننانوے ۹۹ اسماء مبارکہ ہیں۔ اسی طرح ننانوے ۹۹ "القاب مسیحؑ" پورے نہیں ہوئے اس مقام پر عقل سلیم کہتی ہے کہ حقیقت و صداقت اب بھی اپنی جگہ پر چمک اور دمک رہی ہے۔ اور دیانت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ہنوز دلی دور است۔

ع قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
ع "ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم"

عقیقہ اور تسمیہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کے دادا جان حضرت عبدالمطلب نے رکھا تھا۔ چنانچہ شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد

ادریس کاندھلوی رحؒ اپنی کتاب "سیرت المصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم" میں تحریر فرماتے ہیں :

"ولادت کے ساتویں روز عبد المطلب نے آپؐ کا عقیقہ کیا اور اس تقریب میں تمام قریش کو دعوت دی اور محمدؐ آپ کا نام تجویز کیا۔ قریش نے کہا۔ اے ابوالحارثؒ آپ نے ایسا نام کیوں تجویز کیا۔ جو آپ کے آباؤ اجداد اور آپ کی قوم میں سے اب تک کسی نے نہیں رکھا۔ عبد المطلب نے کہا کہ میں نے یہ نام اس لئے رکھا کہ اللہ آسمان میں اور اللہ کی مخلوق زمین میں اس مولود کی حمد اور ثناء کرے۔" (فتح الباری جلد ۷ صـ ۱۲۴ ۔ جلد اول صـ ۴۸)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان حضرت عبد المطلب کے مندرجہ بالا الفاظ بالکل صحیح ثابت اور بجا طور پر پورے ہوئے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی آپ کی تعریف کی اور اہل مکہ "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت سے پہلے "امین" جانتے ، "صادق" مانتے اور آپ کو انہی پیارے القابوں سے پکارتے تھے۔ آپ کو اہل مکہ کا اس طرح پکارنا اس امر کی بیّن دلیل اور واضح ثبوت ہے کہ وہ

لے یہ تمام واقعہ علامہ زرقانیؒ نے شرح موطا امام مالکؒ صـ ۲۷۱ ج ۔ ۴ میں بروایت ابن عباسؓ بحوالہ استیعاب للحافظ ابن عبد البرؒ ذکر کیا ہے لیکن ابن عباس کی روایت میں صرف عقیقہ کا ذکر ہے۔ ساتویں روز کا نہیں اور نہ دعوت کا ذکر ہے اِن دو چیزوں کو علامہ سیوطیؒ نے بحوالہ بیہقیؒ اور ابن عساکرؒ خصائص کبریٰ صـ ۵ ج ۔ ۱ ۔ میں ذکر کیا ہے۔ حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ عبد المطلب نے ولادت باسعادت کی تقریب میں ایک عام دعوت دی۔ جب لوگ دعوت سے فارغ ہوئے تو پوچھا اے عبد المطلب آپ نے اس مولود مسعود کا کیا نام رکھا۔ اِلیٰ آخر الحدیث رواہ البیہقی فی الدلائل باسناد مرسل ۱۲۔ فتح الباری صـ ۱۲۴ ج ۔ ۷ ۔ باب مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔"

آپ کی تعریف کے دل و جان سے قائل تھے۔

علاوہ ازیں دنیا کے ہر خطے پر نظر ڈالو اور دنیا کے ہر خطے کو دیکھو تو آپ کی تعریف اور آپ کے اسم عالی سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں۔ بالفاظ دیگر دنیا بھر میں پیغمبر آخر الزمان صلعم کی صداقت مشہور، ہادیٔ دو جہان کی نبوت معروف اور فخر کون و مکان کی رسالت شہرہ آفاق ہے۔ پس یہ سب کچھ آپ کی تعریف و صداقت کا بانگِ دہل اعلان ہے اور قرآن مجید بھی اسی حقیقت کو آپ کی صداقت قرار دیتا اور یوں ارشاد فرماتا ہے:۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (سورہ رعد)

(کیا نہیں دیکھتے؟ کہ ہم چلے آتے ہیں زمین پر گھٹاتے اسکو کناروں سے (آیت ۴۱)۔

حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر یوں تحریر فرمائی ہے:۔

"ف۔ ہم چلے آتے ہیں زمین پر گھٹاتے یعنی اسلام پھیلتا جاتا ہے عرب کے ملک میں اور کفر گھٹتا ہے" (تفسیر موضح القرآن)۔

اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (سورۃ الانبیاء)

(پھر کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین کو گھٹاتے اس کے کناروں سے؟" (آیت ۴۴)

ف۔ ہم چلے آتے ہیں گھٹاتے یعنی عرب کے ملک میں مسلمانی پھیلنے لگی ہے کفر گھٹنے لگا۔" (تفسیر موضح القرآن)۔

الغرض دنیا بھر میں چودہ سو سال سے لگاتار، مسلسل اور متواتر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا جو ڈنکا بج رہا ہے یہ آپ کی شہرت، تعریف اور صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے اگر بالفرض آپ کا دعویٰ نبوت خدا تعالےٰ کی طرف سے نہ ہوتا تو اتنی مدت مدید اور عرصہ بعید تک یہ دعویٰ دنیا میں موجود نہ رہتا بلکہ مفقود ہو جاتا۔ آپ کی اُمت کا دنیا بھر میں کثرت سے موجود رہنا اور پھیل جانا اس امر کی بیّن

دلیل اور ٹھوس ثبوت ہے کہ آپ کا دعویٰ نبوّت واقعی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے اور حق وصداقت کی یہی نشانی اور علامت گملی ایل نے بھی بیان کی ہے چنانچہ اُس نے کہا:۔

"وہ یہ سُن کر جل گئے اور انہیں قتل کرنا چاہا۔ مگر گملی ایل نامی ایک فریسی نے جو شرع کا مُعلّم اور سب لوگوں میں عزّت دار تھا عدالت میں کھڑے ہو کر حکم دیا کہ ان آدمیوں کو تھوڑی دیر کے لئے باہر کر دو۔ پھر اُن سے کہا کہ اے اسرائیلیو! اِن آدمیوں کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتے ہو ہوشیاری سے کرنا۔ کیونکہ ان دنوں سے پہلے تھیوداس نے اُٹھ کر دعویٰ کیا تھا کہ میں بھی کچھ ہوُں۔ اور تخمیناً چار سو آدمی اُس کے ساتھ ہو گئے تھے مگر وہ مارا گیا اور جتنے اُس کے ماننے والے تھے سب پراگندہ ہوئے اور مٹ گئے اس شخص کے بعد یہوداہ گلیلی اسم نویسی کے دِنوں میں اُٹھا اور اُس نے کچھ لوگ اپنی طرف کر لِئے۔ وہ بھی ہلاک ہوا اور جتنے اُس کے ماننے والے تھے سب پراگندہ ہو گئے پس اب میں تم سے کہتا ہوں کہ ان آدمیوں سے کنارہ کرو اور ان سے کچھ کام نہ رکھو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خُدا سے بھی لڑنے والے ٹھہرو کیونکہ یہ تدبیر یا کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہے تو آپ برباد ہو جائے گا لیکن اگر خدا کی طرف سے ہے تو تم ان لوگوں کو مغلوب نہ کر سکو گے۔ اُنہوں نے اُس کی بات مانی اور رسولوں کو پاس بلا کر اُن کو پٹوایا اور یہ حکم دے کر چھوڑ دیا کہ یسوع کا نام لے کر بات نہ کرنا۔" (اعمال ۵: ۳۳ تا ۴۰)۔

گملی ایل کوئی معمولی شخصیت کا مالک نہ تھا بلکہ یہودیوں کا جیّد عالم، مشہور ومعروف ربّی اور پولوس کا استاد تھا۔ چنانچہ پادری جے۔ پیٹرسن سمائتھ صاحب لکھتے ہیں:۔

"ایکدن آتا ہے جب کہ پولوس یروشلیم کو جاتا ہے۔ تاکہ کالج میں داخل ہو۔ ہر ایک عبرانی لڑکے کی زندگی میں یہ ایک نہایت ہی اہم اور ممتاز موقع ہوتا تھا کہ وہ مقدس شہر یروشلیم کو دیکھے۔ جس کی زیارت کی آرزو اُس کی قوم کے ہر فرد کے دل میں پائی جاتی تھی۔ لہٰذا یہ دن شاؤل کی زندگی میں ایک خاص اہمیّت رکھتا تھا۔ جب کہ وہ یروشلیم کے اعلیٰ مکتب میں جاتا ہے۔ اور یہ اہمیّت اور بھی سوا ہو جاتی ہے کیونکہ اُس مکتب کا مدرس اعلیٰ گملی ایل جیسا مشہور اُستاد ہے" جو سب لوگوں میں عزّت دار تھا" اُس کی ناموری مسیحی عہد جدید تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہودی طالمود کی کتاب نے بھی اُس کی تشہیر کی ہے۔ یہاں تک کہ آج ہر ایک تعلیم یافتہ یہودی اُس عزّت و اہمیّت سے واقف ہے۔ جو گملی ایل کو تواریخ میں حاصل ہے وہ نہ صرف ایک اعلیٰ پایہ کا عالم تھا بلکہ علم کی دنیا میں ایک کشادہ دل ہادی تھا۔ یہودی طالمود اور مسیحی عہد جدید دونوں کی یہی گواہی ہے۔ اس کی تائید کے لئے اعمال کی کتاب کا ایک واقعہ کافی ہے۔ جہاں اُس نے اپنے ہم خدمت مگر متعصب کاہنوں کو جو مسیحیوں کو ستا رہے تھے یہ صلاح دی۔ "اُن آدمیوں سے کنارہ کرو اور اُن سے کچھ کام نہ رکھو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خُدا سے بھی لڑنے والے ٹھہرو۔ کیونکہ یہ تدبیر یا کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہوا تو آپ برباد ہو جائے گا لیکن اگر خدا کی طرف سے ہے تو تم ان لوگوں کو مغلوب نہ کر سکو گے"۔ یہ حقیقت میں ایک کشادہ دل انسان کا فیصلہ ہے"۔ (حیات و خطوط پولوس صفحہ ۲۹، ۳۰) گملی ایل کے متعلق مزید ملاحظہ فرمائیے۔

"مگر گملی ایل نام ایک فریسی ف نے جو شرع کا معلّم اور سب لوگوں میں عزّت دار تھا۔ عدالت میں کھڑے ہو کر حکم دیا کہ ان آدمیوں کو تھوڑی دیر کیلئے باہر کر دو۔" (اعمال ۵: ۳۴)

پادری ٹی واکر صاحب ایم، اے مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں یوں لکھتے ہیں:۔ "گملی ایل" اس کے معنے ہیں "خدا کا انعام" ہم صحت کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شخص وُہی مشہور ربّی گملی ایل ہے جو اُس ہلیل کا پوتا تھا۔ جس نے دو دار العلوموں میں سے زیادہ وسیع خیال دار العلوم کی بنیاد ڈالی تھی۔ ان ہی دو دار العلوموں میں فریسی منقسم ہو گئے تھے۔ یہ شخص بڑا صاحبِ علم اور شریف مزاج تھا۔ اور اُن سات جیّد یہودی علماء میں سے پہلا تھا جن کو "ربنان" کا لقب حاصل ہوا تھا۔ اس نے یونانی علم اور اس کی تحصیل کی تھی اور تعلیم و تربیت اور کشادہ دلی میں اکثر ربّیوں سے سبقت لے گیا تھا۔ یہودی اس کی نہایت ہی بڑی تعظیم کرتے تھے اور عزّت کے لحاظ سے "شریعت کا حسن" اُس کو لقب حاصل ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ یروشلیم کی بربادی سے ۱۸ سال پہلے اُس نے وفات پائی۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے۔ ترسُس کا ساؤل اُس کے شاگردوں میں سے تھا۔ (۲۲: ۳)

"شرع کا معلّم" یہ لفظ لوقا ۵: ۱۷، اور ۱۔ تیمتھیس ۱: ۷ میں ہی آیا ہے اس سے ایسا شخص مراد ہے۔ جو شریعت سکھانے میں بڑا ماہر ہو۔ گملی ایل کی شہرت اور علم سبب نہ صرف عوام النّاس اُس کی عزّت کرتے تھے۔

ف:۔ ان دنوں میں یہودیوں کے دو فرقے بہت مشہور و معروف تھے۔ ایک فرقہ کا نام "فریسی" جو قیامت کا قائل تھا۔ "گملی ایل" اسی فرقہ سے تعلق رکھتا مگر مسیحی نہ تھا۔ دوسرے فرقے کا نام "صدوقی" جو قیامت کا منکر تھا۔ (مسیحی)

بلکہ صدہ مجلس میں بھی اُس کی بڑی قدر تھی"۔ (تفسیرِ اعمال ص ۱۸۱، ۱۸۲)۔

یہودی ربّی گملی ایل نے اپنے الفاظ میں سچّے نبی کی جو علامت بیان کی ہے۔ چونکہ اُس کے پیشِ نظر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اظہر من الشمس ہے اور آگے آپ کی مرضی۔

الحاصل سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں

"محمّد" اور "محمدم"

یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتاب "غزل الغزلات" میں

"محمدیم"

اور اہل اسلام کی مذہبی کتاب قرآن مجید میں

"محمّد"

صلی اللہ علیہ وسلم

ہے۔ پس اس سے یہ حقیقت تاباں اور یہ صداقت درخشاں ہو گئی کہ ان بشارات کے مصداق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

ایسی وضاحت و صراحت کے باوجود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار اس عالم میں قسمت کا ہیر پھیر اور اُس عالم میں حسرت و ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے:۔

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝ (سورۃ الحجر آیت ۲)۔

(کافر لوگ تمنا کرینگے کہ کیا خوب ہوتا اگر وہ مسلمان ہوتے)۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

احمد حسینی

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ
(البقرۃ آیت ۱۴۶)

(جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں)

محمد کون ہے؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت
حضرت سلیمان علیہ السلام کی بشارت
اس حقیقت و صداقت پر
عبرانی بائبل کی پُر زور شہادت

از قلم
حضرت مولانا بشیر احمد حسینی خطیب جامع مسجد حسینی
شورکوٹ چھاؤنی ضلع جھنگ

الناشر و ملنے کا پتہ
محمد لطف اللہ حسینی ناظم اسلامی کتب خانہ
منیاری بازار شورکوٹ چھاؤنی ضلع جھنگ (پاکستان)

کسی دن ادھر سے گزر کر تو دیکھو
بڑی رونقیں ہیں فقیروں کے ڈیرے

ہماری دیگر تصانیف